مشرق وسطی کی جنگ

یونانی کمیونسٹ پارٹی کا تجزیہ

مترجم: شاداب مرتضی

مشرق وسطی کی جنگ

یونانی کمیونسٹ پارٹی کا تجزیہ (2024ء)

مترجم: شاداب مرتضی

گزشتہ چند مہینوں میں پوری دنیا نے فلسطینی عوام کے خلاف اسرائیلی ریاست کی سیاسی فوجی مشین کے عمومی حملے کا مشاہدہ کیا ہے، خاص طور پر غزہ کی پٹی میں۔ زیادہ تر سرمایہ دار میڈیا، جو اسرائیل کی حمایت کرتا ہے، لوگوں کو یہ باور کرانے کی بے سود کوشش کر رہا ہے کہ یہ سب 7 اکتوبر 2023 کو شروع ہوا، جب حماس نے اسرائیل پر حملہ کیا، اسرائیلیوں کو ہلاک اور یرغمال بنایا۔ عوام کی اکثریت جانتی ہے کہ اسرائیلی سرمایہ دار ریاست امریکہ اور اس کے دیگر یورو-اٹلانٹک اتحادیوں کی ملی بھگت سے ان علاقوں پر قابض ہے جہاں اقوام متحدہ کی قراردادوں کے مطابق فلسطین کی ریاست قائم کی جانی چاہیے اور سات دہائیوں سے فلسطینی عوام پر ظلم ڈھا رہی ہے۔

فلسطینی علاقوں کو ہڑپنے کے لیے اسرائیل کی سرمایہ دار ریاست کی غضبناک بھوک کا آغاز 1947-1948 میں اقوام متحدہ کی ایک قرارداد کے ذریعے فلسطینی زمین کی تقسیم سے ہوا، جس نے اسرائیل کی ریاست قائم کی اور فلسطینی علاقوں کو بتدریج نگلنے کی راہ ہموار کی۔ تب سے اب تک لاکھوں فلسطینیوں کو ان کی سرزمین سے بے دخل کیا جا چکا ہے۔ ہم ایک حقیقی اکھاڑ پچھاڑ، زمین کی منصوبہ بند تخصیص اور ان کی زمین سے 60 لاکھ سے زائد آبادی کے بے گھر ہونے کی بات کر رہے ہیں۔ اسرائیل نے 774 فلسطینی قصبوں اور دیہاتوں کا کنٹرول سنبھال لیا جن میں سے 531 مکمل طور پر تباہ ہو گئے اور باقی کو قابض ریاست کے حوالے کر دیا گیا۔ لاکھوں لوگ جو اس سب کے باوجود اپنی سرزمین پر رہے، چاہے مغربی کنارے میں، جہاں فلسطینی اتھارٹی قائم ہے، یا غزہ کی پٹی میں، وہ نسلوں سے ناکہ بندی، شدید محرومی، امتیازی سلوک اور ذلت کے تحت زندگی گزار رہے ہیں۔ ایک لفظ میں کہا جائے تو نسل پرستی کے تحت۔ اسرائیل کے زیر قبضہ فلسطینی علاقوں میں، پوری فلسطینی قوم پر قبضہ کرنے اور جبر کو بڑھانے اور مضبوط کرنے کے ایک وسیلے کے طور پر بستیاں بنائی جاتی رہی ہیں اور اب بھی بن رہی ہیں۔ درحقیقت، مغربی کنارے کا تقریباً 40 فیصد حصہ، جسے قابض افواج نے تین "سیکیورٹی علاقوں" میں بھی تقسیم کیا ہے، پہلے ہی اسرائیلی آبادکاروں کے قبضے میں ہے، جو 1993 میں اوسلو معاہدے پر دستخط کے بعد سے سات گنا بڑھ چکے ہیں، اور ان میں آبادی کی تعداد 115,000 سے 750,000 تک پہنچ گئی ہے۔ برسوں کے دوران، اسرائیل نے فلسطینی عوام کو ان کے تمام حقوق سے محروم رکھا ہے اور وہ اقوام متحدہ کی قراردادوں کے مطابق فلسطینی ریاست کے قیام کے کسی بھی امکان کو مسترد کرتا ہے۔ گزشتہ سال اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی میں نیتن یاہو نے فلسطینی ریاست کے بغیر "نئے مشرق وسطی" کا نقشہ پیش کیا۔ یہ رویہ بہت کچھ بتاتا ہے۔ مزید برآں، گذشتہ برسوں کے دوران، اسرائیل نے خود کو ایک "یہودی ریاست" کے طور پر قائم کرنے کے لیے قانون سازی کی ہے، جو وہاں بسنے والے لاکھوں دوسرے لوگوں کے حقوق کو پامال کرتی ہے جن میں مختلف نسلی، مذہبی اور ثقافتی روایات رکھنے والے سماجی گروہ شامل ہیں۔ یہ ان پر جبر کرنے، انہیں فنا اور بے گھر کرنے کی کوشش ہے۔ یہ کوئی اتفاقی بات نہیں ہے کہ ہمارے ملک (یونان) میں بھی اعداد و شمار بتاتے ہیں کہ تارکین وطن کے طور پر یہاں آنے والے مظلوموں کی سب سے زیادہ تعداد فلسطینیوں کی ہے۔

اس پیش رفت کو عوام کے ساتھ ساتھ پڑوسی ریاستوں اور طاقتوں کے ردعمل کا بھی سامنا کرنا پڑا ہے۔ تضادات کا گہوارہ دن بدن گھنا ہوتا جا رہا ہے اور جنگ کی آگ دوسرے ممالک کو اپنی لپیٹ میں لے سکتی ہے۔ وہاں پہلے ہی یمن (حوثی) اور ایران کی شمولیت موجود ہے، جب کہ لبنانی حزب اللہ کے ساتھ اسرائیل کی دشمنی بڑھتی جا رہی ہے، جس کے نتیجے میں جنوبی لبنان (455 افراد) اور اسرائیل (25 افراد) میں سینکڑوں ہلاکتیں ہوئی ہیں۔ نیز، شمالی اسرائیل سے 150,000 اسرائیلی اور اسرائیل کے ساتھ لبنان کے سرحدی علاقوں میں رہنے والے دسیوں ہزار لوگ بے گھر ہوئے ہیں[1]۔ واضح رہے کہ اسرائیلی فوج کی طرف سے حزب اللہ کے ساتھ جھڑپوں میں ممنوعہ سفید فاسفورس گولہ بارود کا "وسیع پیمانے پر" استعمال اکتوبر 2023 سے جنوبی لبنان کے کم از کم 17 علاقوں میں رپورٹ کیا گیا ہے، جن میں گنجان آباد علاقے بھی شامل ہیں۔

یہ صورتحال اور اس سے لوگوں کو لاحق خطرات کا مکمل جائزہ لینے کے لیے ہمیں عالمی اور علاقائی سطح پر عصری عمل کے عدسے کے ذریعے خطے میں ہونے والی اہم پیش رفت کا جائزہ لینا چاہیے، کیونکہ یہ خطے کی موجودہ سیاسی صورتحال کو مہمیز دیتے ہیں جیسا کہ شام میں دمشق میں ایران کی سفارتی عمارت پر اسرائیلی حملے سے ظاہر ہوتا ہے کہ فوجی تنازعہ پھیل سکتا ہے۔

اس جنگ سے متعلق بعض سرمایہ دارانہ اور موقع پرست دلائل پر توجہ مرکوز کرنے کی بھی ضرورت ہے، جن کی یونانی کمیونسٹ پارٹی بنیادی طور پر مخالفت کرتی ہے۔ نیز، ممکنہ پیش رفت اور جنگی تنازعے کے پھیلاؤ اور یوکرین میں سامراجی تنازعے کے ساتھ اس کے انضمام کے خطرے کا سراغ لگانا بھی ضروری ہے۔

اسرائیل کے مقاصد اور موجودہ تنازعے کا بین الاقوامی اور علاقائی ماحول

مشرق وسطیٰ میں جنگ کا بنیادی عنصر اسرائیل کی غاصب ریاست ہے۔ اسرائیل کا مقصد دو ریاستی حل کو منسوخ کرنا ہے اور اس مقصد کے لیے وہ فلسطینی عوام کے خلاف نسل کشی کرنے اور اسرائیل کے ہاتھوں قتل عام میں زندہ بچ جانے والوں کو صحرا میں بھگانے سے بھی دریغ نہیں کرتا۔

اسرائیلی سرمایہ دار طبقے کا خیال ہے کہ اس کے پاس ایسا منصوبہ مسلط کرنے کی سیاسی-عسکری اور اقتصادی قوت ہے جو اسے پورے مشرقی بحیرہ روم (ایسٹرن میڈیٹرینین) اور مشرق وسطیٰ (مڈل ایسٹ) کے خطے میں ایک بڑی طاقت بنا دے گی۔ اس کے لیے وہ دونوں قوتوں کا استعمال کرے گا۔ گاجر کے طور پر اقتصادی معاہدوں کا استعمال، جیسے کہ ابراہیمی معاہدے، اور چھڑی کے طور پر غیر ملکی علاقوں اور خطے میں موجود دوسری حریف سرمایہ دار حکومتوں، مثلاً ایران، کے خلاف فوجی جارحیت، یلغار اور قبضے کا استعمال۔

خطے میں اسرائیل کا کردار اس کے جغرافیائی محل وقوع کی وجہ سے بھی بڑھ سکتا ہے۔ یہ ایشیاء اور یورپ کے بیچ آمدورفت کا مرکز ہے۔ یہ غزہ کی قیمتی پٹی کے علاقوں کو استعمال کر سکتا ہے جنہیں اس کی دانست میں ہر صورت میں اس کے کنٹرول (یا قبضے) میں آنا چاہیے۔ یہ بحیرہ روم میں ہائیڈروکاربن کو، خصوصاً ساحلی علاقے کے قدرتی وسائل (EEZ) کو، استعمال کر سکتا ہے جنہیں اصولاً فلسطین کی ملکیت ہونا چاہیے۔

اس اسرائیلی منصوبے کے پہلوؤں کا ذیل میں مزید تفصیل سے جائزہ لیا جائے گا اور اس بین الاقوامی اور علاقائی سیاق وسباق کا بھی جس میں یہ منظر عام پر آ رہا ہے۔

یورو-اٹلانٹک بلاک اور یوریشین بلاک کے درمیان محاذ آرائی

فلسطین اور وسیع تر مشرق وسطیٰ، بحیرہ احمر (Red Sea) اور خلیج فارس (Persian Gulf) کے خطے میں ہونے والی پیش رفت کا تعلق امریکہ اور چین کے درمیان بین الاقوامی سامراجی نظام میں بالادستی کی عمومی رقابت کے علاوہ یورو-اٹلانٹک (یورپ اور جنوبی امریکہ) اتحاد اور یورو-ایشین اتحاد کے درمیان تصادم سے بھی ہے۔ یورو-اٹلانٹک اتحاد کی قیادت یورپی یونین اور امریکہ کر رہے ہیں جبکہ یورو-ایشین اتحاد کی قیادت چین اور روس کے زیر انتظام ہے۔ یہ تصادم پہلے ہی یوکرین میں سامراجی جنگ کا باعث بن چکا ہے، جو تین سال سے جاری ہے اور کبھی کبھار یہ تصادم تائیوان کے مستقبل اور بحیرہ جنوبی چین (یا مشرقی سمندر) میں ہائیڈروکاربن والے ساحلی علاقوں (EEZs) کی تقسیم پر تنازعات کو جنم دیتا ہے اور اسی طرح دوسری جگہوں پر بھی، جیسے کہ افریقہ میں (ساحل)، آرکٹک وغیرہ میں۔ اس لحاظ سے جولائی 2023 میں ایران کا شنگھائی تعاون تنظیم سے الحاق اور اگست 2023 میں 6 نئے ممالک کے ساتھ برکس کی توسیع، جن میں سے پانچ ممالک (مصر، ایتھوپیا، متحدہ عرب امارات، ایران اور سعودی عرب) وسیع تر مشرق وسطیٰ کے علاقے میں شامل ہیں، کوئی معمولی تفصیل یا واقعہ نہیں ہے۔

دونوں فریقوں کے درمیان تصادم کو ہمیشہ مختلف بہانوں کے تحت پیش کیا جاتا ہے، جیسے کہ "دہشت گردی کے خلاف جنگ" اور "اپنے دفاع کا حق"، جس کا استعمال قبضہ گیر اسرائیلی ریاست اور اس کے اتحادی کرتے ہیں، یا "سامراج مخالف محور" کی تشکیل جو ایک "منصفانہ، کثیر قطبی دنیا" کے لیے جدوجہد کر رہا ہے، جسے دوسرا فریق استعمال کرتا ہے۔

حقیقت میں یہ تنازعہ دونوں فریقوں کے درمیان خطے کی توانائی اور معدنی دولت تک رسائی کے لیے ہے۔ ایک اندازے کے مطابق، دنیا کے ہائیڈروکاربن کے ثابت شدہ ذخائر (تیل اور گیس) کا 49.5 فیصد حصہ مشرق وسطیٰ کے علاقے میں واقع ہے[2]۔ اس کے علاوہ یہ ان اہم تجارتی راستوں کے کنٹرول کے لیے ہے جو خطے سے گزرتے ہیں اور جن کے ذریعے شمالی ایشیا اور یورپ کا ایک اہم حصہ تجارت کرتا ہے۔ بحری نقل وحمل کا 30 فیصد[3] بحیرہ احمر سے گزرتا ہے۔ بڑی طاقتیں جو اپنی مصنوعات یورپ کو برآمد کرتی ہیں، جیسا کہ چین اور بھارت، اس سمندری راستے کو

استعمال کرتی ہیں۔ قابل ذکر بات یہ ہے کہ یورپ کے لیے تمام ہندوستانی اشیا کی 80 فیصد برآمدات بحیرہ احمر کے علاقے سے گزرتی ہیں، جب کہ چین بھی اپنی 95 فیصد برآمدات کے لیے جہاز رانی (شپنگ) پر انحصار کرتا ہے اور بحیرہ احمر کے راستے کو کھلا رکھنے میں اس کا مضبوط معاشی مفاد ہے[4]۔

ان وسائل تک رسائی اور نقل و حمل کے راستوں کا کنٹرول دونوں فریقوں کی اقتصادی اور سیاسی-فوجی طاقت پر اور منڈی کے حصص پر اثر انداز ہوتا ہے، جو اپنی اجارہ داریوں کے مفادات کو فروغ دینے اور خطے میں جغرافیائی سیاسی قدم رکھنے میں دلچسپی رکھتے ہیں۔

بیک وقت، دونوں محاذوں کے اندر، سرمایہ دار طبقوں کے تضادات اور عمومی سمت سے انحرافات کی شدت کم نہیں ہوئی ہے، جو کہ غیر مساوی باہمی انحصار کے حالات میں رونما ہوتے ہیں، جہاں بڑی طاقتیں فیصلوں پر اثر انداز ہوتی ہیں۔ مثال کے طور پر ترکی کا معاملہ، جو کہ یورپی یونین سے وابستہ نیٹو کی رکن ریاست ہے، لیکن اس کے ساتھ ساتھ حال ہی میں فلسطینی ریاست کو تسلیم کرنے والے ممالک جیسے کہ آئرلینڈ، اسپین اور سوئیڈن کا معاملہ بھی خاصہ نمایاں ہے۔ اس طرح وہ ان 145 ممالک میں شامل ہو گئے ہیں جنہوں نے فلسطین کو تسلیم کیا ہے، سوئیڈن (2014) اور یورپی یونین کے دیگر کئی موجودہ رکن ممالک کے ساتھ جنہوں نے مشرقی یورپ میں تختہ الٹنے سے بالکل پہلے، مختلف وقتوں میں فلسطین کو تسلیم کیا تھا، یعنی بلغاریہ (1988)، ہنگری (1988)، پولینڈ (1988) اور رومانیہ (1988)۔

اسی دوران، 2019 کے بعد سے، طاقتوں کی ایک زیادہ عمومی تشکیل ہوئی ہے، جس کا اظہار متحدہ عرب امارات، ایران، سعودی عرب، قطر، کویت کے درمیان تعلقات سے، شام کی عرب لیگ میں واپسی وغیرہ، سے ہوا ہے جس میں چین کی مداخلت نے مہمیز کا کردار ادا کیا ہے۔

مزید برآں، خطے میں طاقتور سرمایہ دار طبقے، جیسے کہ ترکی، مصر، ایران، سعودی عرب، متحدہ عرب امارات، قطر وغیرہ، تنازعے میں فعال کردار ادا کر رہے ہیں، یا تو اس کے ممکنہ حصہ (مثلاً ایران) کے طور پر یا ثالث کی حیثیت سے۔ کسی بھی صورت میں، ان کا مقصد بین الاقوامی سامراجی نظام میں اپنے مقام کو مضبوط کرنا، تنازعہ عام ہونے کی صورت میں محفوظ رہنا اور اس سے فائدہ اٹھانا ہے۔

ابراہیمی معاہدے اور سعودی عرب

اگست 2023 میں اسرائیل اور سعودی عرب کے درمیان ایک شاندار میل جول ہوا تھا، اور ہر طرح سے ظاہر ہو رہا تھا کہ یہ ملک "ابراہیمی معاہدوں" میں شامل ہو جائے گا۔ یہ امریکہ-اسرائیل سے متاثر منصوبہ تھا جس کے تحت متعدد عرب ممالک نے اسرائیل کو تسلیم کیا اور ان کے ساتھ تعلقات قائم کیے، یعنی بحرین، متحدہ عرب امارات، مراکش (2020) اور سوڈان (2021)۔ اس سے قبل اردن اور مصر نے اسرائیل کے ساتھ دوبارہ تعلقات استوار کیے تھے۔

فلسطینی قیادت نے 2020 میں یہ رائے دی کہ "امارات اور بحرین کا فیصلہ 2002 میں عرب لیگ کے سربراہی اجلاس میں تمام عرب ریاستوں کی طرف سے اپنائے گئے "عرب امن اقدام (Arab Peace Initiative)" سے متضاد ہے۔ یہ (عرب امن) اقدام ایک منصفانہ اور جامع امن کا خواہاں ہے، جس کا مقصد یہ ہے کہ تمام عرب علاقوں سے اسرائیل کے انخلاء کے بدلے میں اس کے ساتھ ہمارے تعلقات کو مکمل طور پر معمول پر لایا جائے۔ پہلے اسرائیلی انخلاء، پھر تعلقات کو معمول پر لانا[5]۔"

عملی طور پر ان (ابراہیمی) معاہدوں کا مقصد خطے میں سرمایہ داروں کی کاروباری سرگرمیوں اور منافع میں اضافہ کرنا، اسرائیل کے سیاسی مقام کو مضبوط کرنا، جو فلسطینی علاقوں کے علاوہ شام اور لبنان کے علاقوں پر بھی قابض ہے، اور چین اور ایران کے خلاف اپنے منصوبوں میں امریکہ کو سہولت فراہم کرنا تھا۔ ان کا سب سے زیادہ نقصان فلسطینی عوام کو ہوا۔ عملی طور پر یہ معاہدے فلسطینی ریاست کے قیام سے متعلق اقوام متحدہ کی قراردادوں کو ترک کرنے کی وجہ بنے اور ان سے فلسطینی عوام پر جبر کے نتیجے میں اسرائیلی قبضے کے تسلسل کو فروغ ملا۔ حماس کے حملے کے بعد "اپنے دفاع کے حق" کے جھوٹے جواز کے تحت اسرائیل کی طرف سے فلسطینی عوام کے خلاف شروع کی گئی نسل کشی کی کارروائی جس میں 15 ہزار سے زیادہ کمسن بچوں سمیت دسیوں ہزار شہریوں کی ہلاکت ہوئی، اس منصوبے کو الٹنے کا باعث بنی۔

فلسطین کے خصوصی اقتصادی زون (EEZ) کا تنازعہ

4 جون 1967 سے پہلے کے فلسطینی علاقے، جن میں مشرقی یروشلم کے ساتھ فلسطینی ریاست قائم کی جانی تھی، ان میں مغربی کنارہ اور غزہ کی پٹی شامل تھی۔ غزہ کی پٹی 365 مربع کلومیٹر زمین کی ایک تنگ پٹی ہے جہاں فلسطین کا خصوصی اقتصادی زون واقع ہے، کیونکہ باقی فلسطینی سرزمین یعنی مغربی کنارے کو بحیرہ روم تک رسائی حاصل نہیں ہے۔ چونکہ غزہ کی پٹی، فلسطینی ریاست کے اٹوٹ انگ کے طور پر، بحیرہ روم تک رسائی رکھتی ہے، اس لیے یہ خصوصی اقتصادی زون کی حقدار ہے جس کی سرحد مصر، اسرائیل اور قبرص سے ملتی ہے۔

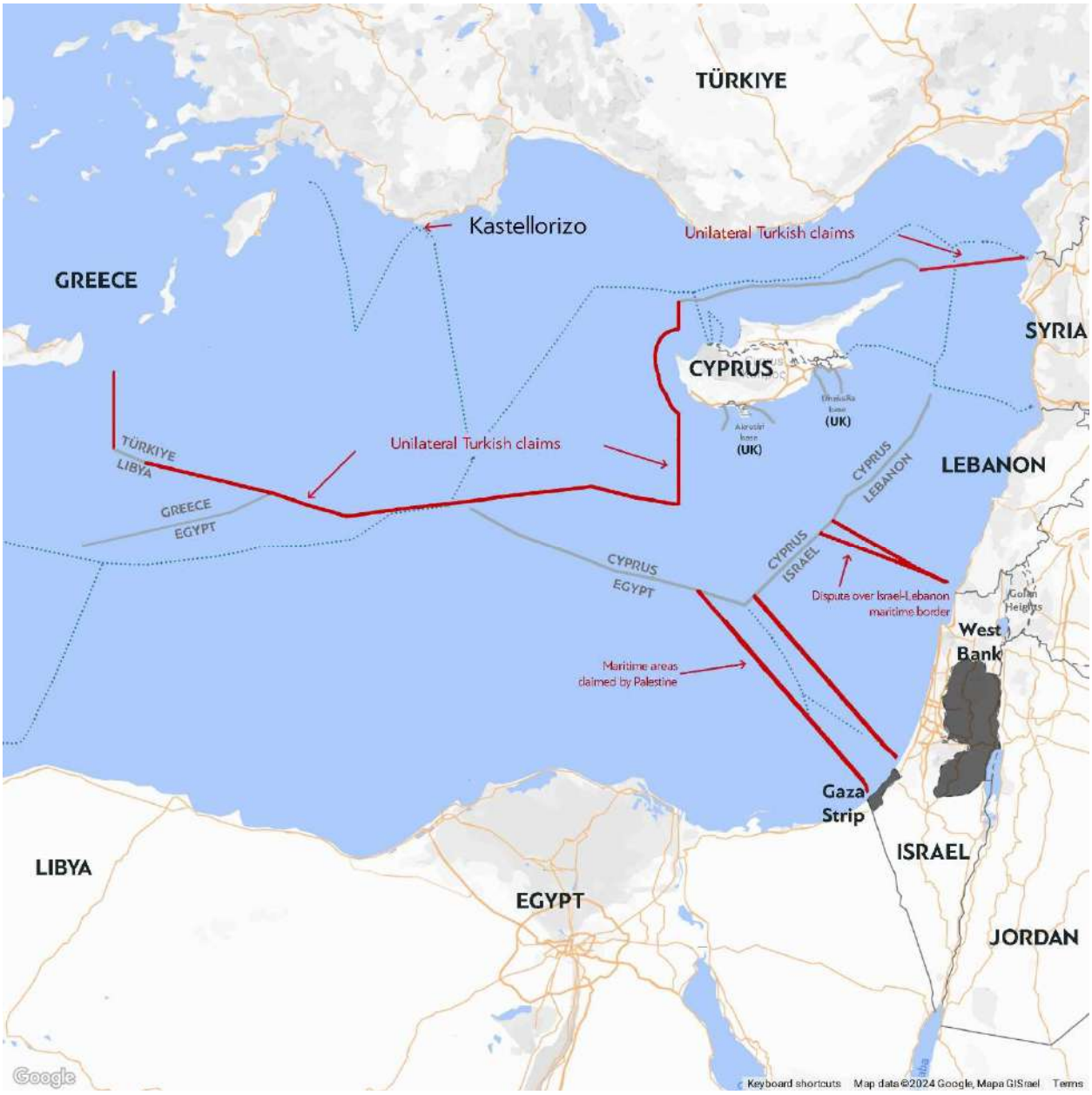

یکم فروری 2015 کو، فلسطین نے فلسطینی صدر محمود عباس کے حکم سے سمندر کے قانون پر اقوام متحدہ کے کنونشن میں شمولیت اختیار کی۔ 10 اکتوبر 2019 کو، فلسطینی وزیر خارجہ ریاض المالکی نے اقوام متحدہ کے سیکریٹری جنرل انتونیو گوتریس کو ریاست فلسطین کی سمندری سرحدوں کے نقشوں اور نقاط کی ایک کاپی حوالے کی، جو 1967 کی سرحدوں اور اقوام متحدہ کی سلامتی کونسل کی قرارداد 242 پر مبنی ہے۔ فلسطینی سمندری سرحدوں کی حد بندی کرنے کی کوششوں میں، خاص طور پر خصوصی اقتصادی زون کے حوالے سے المالکی نے اس وقت کہا تھا کہ یہ دستاویزات ریاست فلسطین کو بحیرہ روم میں خصوصی اقتصادی زون پر اپنا حق جتانے میں مدد کریں گی، یہ نوٹ کرتے ہوئے کہ فلسطینیوں کو اس علاقے میں گیس اور تیل کے استعمال، سرمایہ کاری اور تلاش کا حق حاصل ہے۔

غزہ گیس فیلڈ 1999 کے آخر میں دریافت ہوئی تھی، اور ابتدائی اعداد و شمار سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس میں 1.1 ٹریلین کیوبک فٹ سے زیادہ قدرتی گیس موجود ہے۔ فلسطینی اتھارٹی نے 25 سالہ معاہدے کے تحت ایک کنسورشیم کو ہائیڈروکاربن کی تلاش اور استیصال کا کنٹریکٹ دیا جس میں برطانوی کمپنی برٹش پیٹرولیم (بعد میں شیل نے حاصل کیا، جو بعد میں واپس لے لیا)، فلسطینی انویسمنٹ فنڈ اور فلسطینی مفادات کی کنسولیڈیٹڈ کنٹریکٹرز کمپنی شامل تھی[6,7]۔

یہ بات معلوم ہے کہ پچھلے سالوں میں اسرائیل اور مصر کے درمیان بین الاقوامی شراکت داری کے ذریعے ذخائر سے فائدہ اٹھانے کے منصوبے تھے جس کے منافع کا ایک حصہ فلسطینی اتھارٹی کو جاتا تھا۔ مصر اور اسرائیل کے درمیان تعاون طویل عرصے سے امریکہ کی ترجیح رہی ہے۔ مصر مشرقی بحیرہ روم میں گیس پیدا کرنے والا سب سے بڑا ملک ہے اور اپنی تیزی سے بڑھتی ہوئی آبادی کی وجہ سے اس خطے میں گیس استعمال کرنے والی سب سے بڑی منڈی بھی ہے، جو تقریباً 112 ملین تک پہنچ چکی ہے۔ زیر آب گیس پائپ لائن اس وقت اسرائیلی شہر اشکلون کو مصر کے العریش سے ملاتی ہے۔ اسرائیلی گیس کو یورپی منڈیوں کو برآمد کرنے کے لیے مصر میں مائع کیا جاتا ہے۔ یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ مصر غزہ کی زمینوں سے فائدہ اٹھانے میں دلچسپی رکھتا ہے، جو اس کے خصوصی اقتصادی زون سے متصل ہیں۔ فروری 2021 میں، مصری کمپنی ایگاس (EGAS) نے گیس کنسورشیم کے ساتھ "فلسطینیوں کی قدرتی گیس کی ضرورت پوری کرنے کے لیے، (اور) پیداوار کا کچھ حصہ مصر کو برآمد کرنے کے امکان کے ساتھ "(گیس) فیلڈ کو تیار کرنے کے لیے مفاہمت کی ایک یادداشت پر دستخط کیے تھے[8]۔

اس کے ساتھ ساتھ یوکرین میں سامراجی جنگ کے باقاعدہ آغاز اور یورپی یونین کی طرف سے روسی گیس نے لینے کی ہدایت کے ساتھ ہی، اسرائیل کی جانب سے فلسطین کو کنٹرول کرنے اور اس کی توانائی کی دولت کو لوٹنے کی کوششیں تیز ہو گئی ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یورپی یونین کے ردعمل سے روس سے گیس کی درآمدات میں بہت زیادہ کمی واقع ہوئی، تاہم روس سے توانائی کی مکمل علیحدگی کا ہدف حاصل نہیں ہوا۔ بیک وقت، اس نے مشرق وسطیٰ کے علاقے اور یقیناً امریکہ سے یورپی یونین کے لیے گیس درآمد کرنے کی ضرورت کو بڑھا دیا ہے۔ توانائی کے اس عالمی تنازعے کی روشنی میں نیتن یاہو کے دفتر نے جون 2023 کے وسط میں ایک بیان میں کہا: "ریاست اسرائیل، مصر اور فلسطینی اتھارٹی (PA) کے درمیان موجودہ کوششوں کے تناظر میں، فلسطینی اقتصادی ترقی اور خطے میں سلامتی کے استحکام کو برقرار رکھنے پر زور دینے کے ساتھ، یہ فیصلہ کیا گیا ہے کہ غزہ کی سمندری گیس فیلڈ کو غزہ سے باہر تیار کیا جائے۔ اس منصوبے کو نافذ کرنا قومی سلامتی کونسل کے زیر قیادت بین الوزارتی عملے کے کام کی تکمیل (...) سے مشروط ہے، تاکہ اس معاملے پر ریاست اسرائیل کی سلامتی اور سفارتی مفادات کو برقرار رکھا جا سکے[9]"۔

جون 2023 کے آخر میں، فلسطینی وزیر اعظم محمد شطیہ نے ایک سرکاری بیان میں کہا: "غزہ میرین فیلڈ کی ترقی 24 سال سے زیادہ اسرائیلی رکاوٹوں کے بعد ممکن ہے جس نے اس کے استیصال کو روکا (...) ہم ایک مصری ترقیاتی کمپنی اور فلسطینی انویسمنٹ فنڈ (...) کے ساتھ مل کر کام کر رہے ہیں۔ وہاں اسرائیلی رکاوٹیں (...) تھیں اور اب اس میدان کو ترقی دینا اور اس سے فائدہ اٹھانا ممکن ہے۔"[10]

بعد میں موسم گرما میں، حماس کی طرف سے ایسی کارروائیاں ہوئیں جنہیں "گیس جنگ" کی تیاریوں سے تعبیر کیا گیا۔ ان میں خطے کا ایک سفارتی دورہ بھی شامل تھا جس میں حماس کے سیاسی بیورو کے سربراہ اسماعیل ہنیہ نے مصر اور ایران کا دورہ کیا اور ساتھ ہی روس اور ترکی کے ساتھ اس کے نمائندوں کے رابطے اور دورے بھی[11]۔

اس وقت، تجزیہ کاروں کا خیال تھا کہ حماس فلسطین کی توانائی کی دولت کو لٹنے سے روکنے کے لیے کئی امکانات پر غور کر رہی ہے، جس میں فوجی تصادم کا امکان بھی شامل ہے، جسے اس وقت ایک غیر متوقع امکان سمجھا جاتا تھا[12]۔

یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ اس دولت کے خصوصی استیصال کے لیے اسرائیلی سرمایہ داروں کی بھوک تند و تیز ہوتی جارہی ہے، کیونکہ اسرائیل فلسطینیوں کو غزہ سے نکال کر صحرا میں یا دوسرے "راضی" ممالک تک پہنچانے کا منصوبہ بھی بنارہا ہے۔

یہ علاقہ تجارت اور توانائی کے لیے نقل و حمل کے راستوں پر تنازعے کا شکار ہے

یہ پورا علاقہ ایک تجارتی راہداری ہے، جیسا کہ ہم پہلے ہی بتا چکے ہیں۔ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ نئے تجارتی راستے، جو مسابقتی مفادات اور بڑے سرمایہ دارانہ سرمایہ کاری کے منصوبوں سے منسلک ہیں، تیار ہونا بند ہو گئے ہیں۔

اس کی ایک مثال ہندوستان-مشرق وسطی-یورپ کی اقتصادی راہداری (IMEC) ہے، جو متحدہ عرب امارات میں جبل علی کی بندر گاہ کو استعمال کرتی ہے۔ وہاں سے، ایک ریل لنک سعودی عرب، اردن اور اسرائیل سے ہوتا ہوا حیفہ کی بندر گاہ اور پھر پیریوس کی بندر گاہ کے ساتھ ساتھ اطالوی اور فرانسیسی بندر گاہوں تک جائے گا۔ ابتدائی منصوبہ متحدہ عرب امارات، سعودی عرب اور عمان کو ملانے والے موجودہ ریل نیٹ ورک کو بڑھانا ہے۔ اس تجارتی راستے پر اجارہ دار کمپنیوں کو نہر سوئیز کے راستے سے کم لاگت آئے گی۔ امریکہ نے، جو اس راستے کی حمایت کرتا ہے، 2023 میں نئی دہلی میں G20 اجلاس میں کھل کر کہا کہ اس کا منصوبہ چین کے "ون بیلٹ، ون روڈ" تجارتی راہداری کو کمزور کرنا ہے جسے "سلک روڈ[13]" کے نام سے بھی جانا جاتا ہے۔

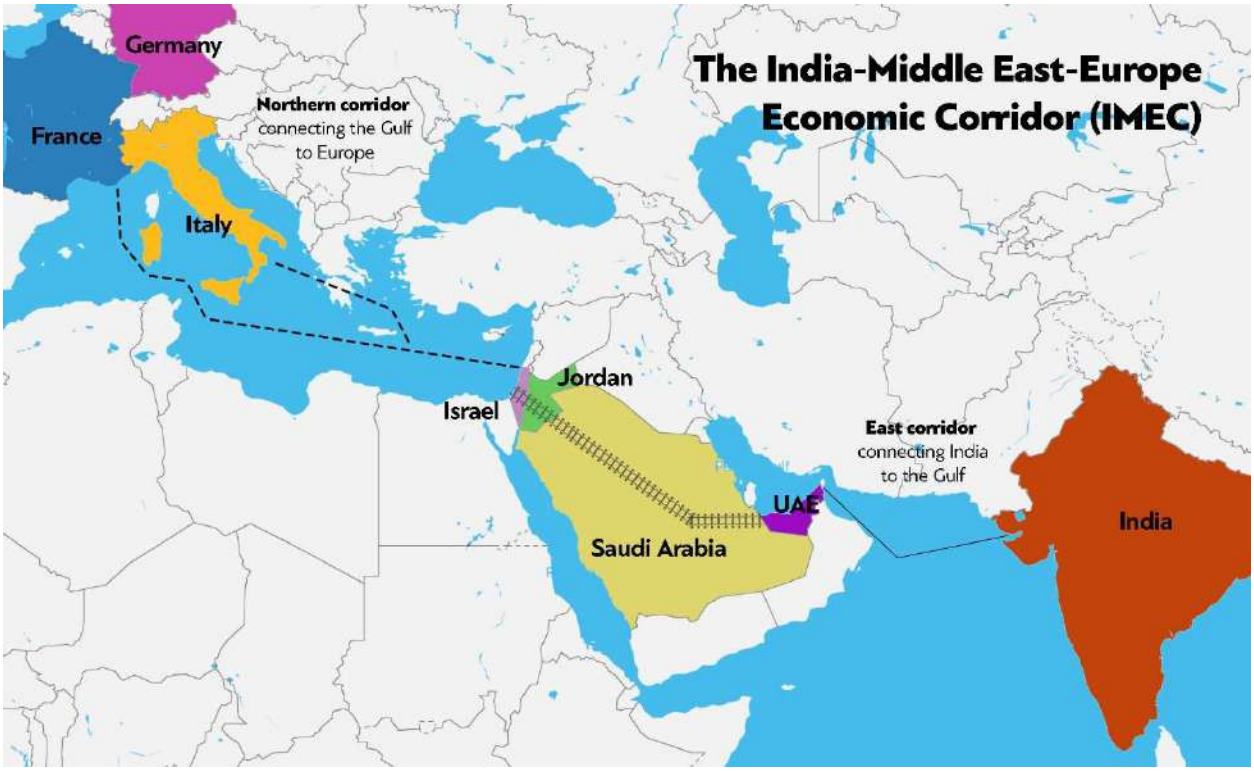

مصر کے زیر کنٹرول نہر سوئیز کے متبادل نہر کی تعمیر واقعی ایک فرعونی منصوبہ ہے۔ نئی نہر اسرائیل سے گزرے گی اور اس کا نام اس کے پہلے وزیر اعظم بین گوریون کے نام پر رکھا جائے گا۔ نہر کا اصل تصور 1963 کا ہے، جس کا ذکر سابق اسرائیلی وزیر اعظم شمعون پیریز کی 1990 کی دہائی کے آخر میں شائع ہونے والی کتاب "دی نیو مڈل ایسٹ" میں کیا گیا ہے۔ اس نے 520 زیر زمین ایٹمی دھماکوں کا استعمال کرتے ہوئے صحرائے نیگیو کے ذریعے 250 کلومیٹر لمبی نہر کھولنے کا تصور دیا، جو بحیرہ احمر پر واقع خلیج عقبہ (ایلات کی اسرائیلی بندر گاہ) کو بحیرہ روم (اسرائیلی بندر گاہ اشکلون، غزہ کی پٹی سے صرف 12 کلومیٹر شمال میں) سے جوڑتا ہے۔

منصوبے کا تازہ ترین ورژن نہر کی کھدائی کے لیے جوہری دھماکوں کے استعمال کو مسترد کرتا ہے اور 200 میٹر چوڑی اور 50 میٹر گہری نہر کھولنے کے لیے 3 لاکھ انجینئروں اور ورکروں کی بات کرتا ہے جو پانچ سال تک کام کر کے اس منصوبے کو پورا کریں گے جس میں دو طرفہ آمدورفت ممکن ہو گی اور یہ نہر اس وقت نہر سوئیز سے گزرنے والے جہازوں سے بڑے جہازوں کو سمو سکے گی۔ یہ نہر سوئیز سے تقریباً 100 کلومیٹر لمبی ہو گی اور اس کی تعمیر پر 16 سے 55 ارب ڈالر کے درمیان لاگت آئے گی، لیکن یہ انتہائی منافع بخش بھی ہو گی، جس کا خالص منافع 6 ارب ڈالر (یا شاید اس سے زیادہ) سالانہ ہو گا۔

بعض تجزیہ کار اس تعمیراتی منصوبے کو "سیکورٹی" اور سرمایہ کاری کے تحفظ کی وجہ سے فلسطینیوں کو غزہ کی پٹی سے نکالنے کے منصوبے سے اور نئی نہر کے تجارتی منصوبوں کے نقل و حمل (ٹرانزٹ) کے مقاصد کے لیے زمین کی اس قیمتی ساحلی پٹی کے استعمال سے منسلک کرتے ہیں[14]۔

یقیناً ایسی مضبوط طاقتیں ہیں جو چاہتی ہیں کہ مذکورہ منصوبے ناکام ہوں، خاص طور پر وہ لوگ جنہیں ان کی تعمیر سے نقصان پہنچے گا۔ یہ بہت سے ممالک (چین، مصر، ایران، ترکی وغیرہ) کے اجارہ دار گروہ اور سرمایہ دار طبقے ہیں جو ان منصوبوں میں شامل نہیں ہیں اور ان سے کوئی فائدہ نہیں اٹھائیں گے۔ مزید برآں، ایک نئی نہر کا افتتاح اس بات کو یقینی بنائے گا کہ اسرائیل اور امریکہ پورے بحیرہ احمر پر کنٹرول کریں، جیسے کہ تیران اور صنافیر جزائر، جو مصر کی طرف سے سعودی عرب کے حوالے کیے گئے اور خلیج عقبہ کے داخلی راستے پر واقع ہیں، جن پر 1956 (سوئز بحران) اور 1967-1982 میں اسرائیل نے قبضہ کر لیا تھا۔ اس کے علاوہ بحیرہ احمر کا داخلی راستہ، آبنائے باب المندب یا "آنسوؤں کا دروازہ" بھی ان کے کنٹرول میں ہو گا۔ لہٰذا یہ ایک ایسا منصوبہ ہے جس سے مشرق وسطیٰ میں اسرائیل اور اس کے اتحادیوں کی جارحیت میں شدت آتی ہے۔ ہمیں یہ نہیں بھولنا چاہیے کہ اس خطے میں (مثلاً جبوتی میں) نہ صرف امریکہ بلکہ چین اور روس کے بھی فوجی اڈے ہیں جنہوں نے حال ہی میں ایران کے ساتھ مل کر خلیج فارس میں فوجی مشقیں کی ہیں۔ (حال ہی میں، فروری 2025ء کے وسط میں روس اور سوڈان کے درمیان سوڈان میں بحیرہ احمر کے ساحلی علاقے میں روسی بحری اڈے کے قیام کا معاہدہ طے پایا ہے، مترجم)۔

گیس پائپ لائنوں کے لیے دیگر منصوبے بھی ہیں، جیسے کہ مشرقی بحیرہ روم کی پائپ لائن (EastMed) اور مسابقتی منصوبے، جیسے گیس کو مصر یا قبرص میں مائع بنانے کے لیے بھیجنا اور پھر اسے بازاروں میں بھیجنا۔ مزید برآں، اسرائیل پر حماس کے حملے سے چند روز قبل، ترکی کے صدر رجب طیب ایردوان نے نیویارک میں منعقدہ اقوام متحدہ کی 78ویں جنرل اسمبلی کے موقع پر اسرائیلی وزیر اعظم بن یامین نیتن یاہو کے ساتھ ایک نجی ملاقات میں اسرائیلی گیس کو ترکی کے ساحل اور پھر یورپی منڈی[15] تک پہنچانے کے لیے پانی کے اندر پائپ لائن تعمیر کرنے کی تجویز کا اعادہ کیا۔ بلاشبہ ترک سرمایہ دار طبقے کی جانب سے خود کو فلسطینی عوام کے "محافظ" کے طور پر پیش کرنے کی خواہش کی وجہ سے اس وقت ایسا منصوبہ ناممکن نظر آتا ہے۔

اسی طرح کی ایک زیر سمندر پاور کیبل کو بھی فروغ دیا جا رہا ہے، جو اسرائیل اور یورپ میں پاور گرڈ کو آپس میں جوڑ دے گی۔

بہر حال، یہاں اس بات پر زور دینا ضروری ہے کہ یہ یا دیگر تجارتی اور توانائی کے منصوبے صرف اجارہ داروں کے مفادات کی تکمیل کے لیے ہیں۔ عوام کی عصری ضروریات کو پورا کرنے سے ان کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ مزید برآں، وہ لوگوں کے لیے بڑے خطرات کا باعث ہیں، کیونکہ سرمائے کا منافع ماحول کے تحفظ اور عوام کی سلامتی سے متصادم ہے، اور جیسا کہ حقائق سے پہلے ہی واضح ہے، وہ ان شدید مقابلہ بازی اور جنگوں کے بیج بوتے ہیں جو اجارہ داروں کے مفادات کے لیے عوام کا خون بہاتی ہیں۔

بھارت پر جنگ کا سلسلہ اور اس کا کردار

ان پیش رفتوں میں ہندوستان کے کردار اور تشکیل کے تحت یورو-اٹلانٹک محور اور یوریشین محور دونوں کی واضح خواہش پر غور کرنا ضروری ہے تاکہ ہندوستان کو اپنے منصوبوں کے قریب لایا جاسکے۔ ہندوستان، آبادی کے لحاظ سے دنیا کا سب سے بڑا ملک (1.41 بلین)، سب سے مضبوط اور تیزی سے ترقی کرنے والی سرمایہ دارانہ معیشتوں میں سے ایک ہے (دنیا کی جی ڈی پی میں 7.5 فیصد حصہ کے ساتھ تیسرا) اور دنیا کی چوتھی بڑی فوجی طاقت ہے۔

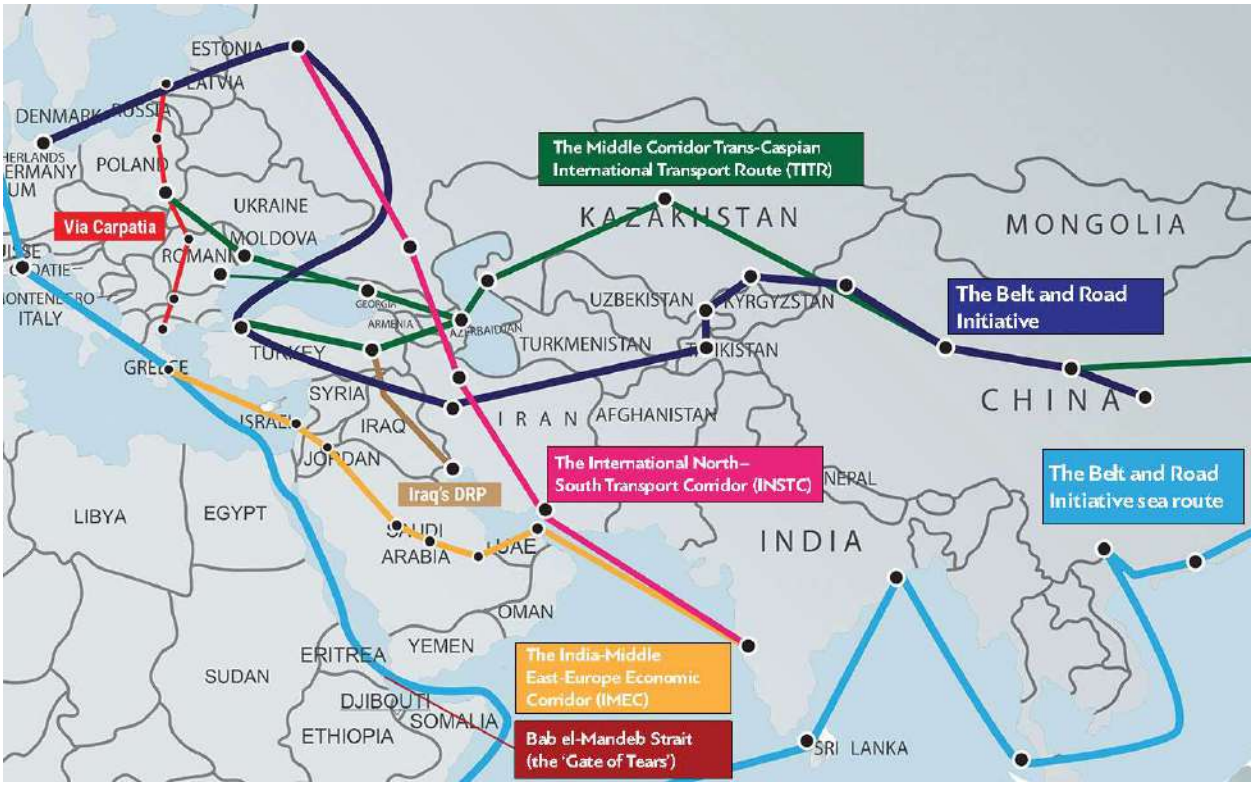

امریکہ ہندوستان کے ساتھ سیاسی-فوجی شراکت داری قائم کرنے کی مسلسل کوشش کر رہا ہے، اور اس مقصد کے لیے اس نے "کواڈ (QUAD)" نامی اتحاد قائم کیا ہے جس میں امریکہ، انڈیا، جاپان اور آسٹریلیا شامل ہیں۔ اس میں ہند-بحرالکاہل کے علاقے (ہند اور بحرالکاہل) میں چینی اثر و رسوخ کو روکنے کا مسئلہ کھلے عام اٹھایا جاتا ہے۔

دوسری طرف، بھارت، چین کے ساتھ اپنی مسابقت اور ہمالیہ میں جاری سرحدی تنازعات کے باوجود، برکس (برازیل، روس، بھارت، چین اور جنوبی افریقہ) اور شنگھائی تعاون تنظیم جیسی متعدد بین الاقوامی یونینوں میں چین کے ساتھ شریک ہے۔ وہ روسی ہتھیاروں کے سب سے بڑے خریداروں میں سے ایک ہے اور ساتھ ساتھ بیرونی دنیا میں رسائی کے لیے روسی سرمایہ داروں کے اہم زرائع میں سے ایک ہے، ان یورو-اٹلانٹک پابندیوں کے بعد بھی جو یوکرین پر روسی حملے کے بعد لگیں۔

لہٰذا، مذکورہ بالا (IMEC) اقتصادی راہداری چین کے ساتھ تصادم میں یورو-اٹلانٹک بلاک کے وسیع تر منصوبوں سے اور مشرق وسطی اور یورپ میں منڈی کے حصص کی لڑائی سے منسلک ہے۔ یہ راستہ امریکہ کے تذویراتی (اسٹریٹجک) منصوبے سے جڑا ہوا ہے، ایک طرف، بھارت کو اپنے اتحاد میں قریب لانے کے لیے اور دوسری طرف یورپ میں چینی مارکیٹ شیئرز کو کم کرنے کے لیے۔ یہ امریکہ کے لیے ہندوستان اور یورپ دونوں محاذوں پر دوہری جنگ ہے۔

ان حالات کے پیش نظر، یہ کوئی اتفاقی بات نہیں ہے کہ بھارت کے ساتھ اسرائیل کے سیاسی، فوجی اور اقتصادی تعلقات، جو کہ حال ہی میں 1992 میں شروع ہوئے تھے، نمایاں طور پر ترقی کر رہے ہیں، خاص طور پر میزائل شکن نظام اور ڈرون کے میدان میں، فوجی معلومات اور ہتھیاروں کے نظام کے تبادلے میں۔

بلاشبہ، دوسری طرف تشکیل دیا جانے والا یوریشین بلاک بھی اسی طرح کے تعلقات استوار کر رہا ہے اور ہندوستان میں پیدا ہونے والی اجناس کو یورپی منڈیوں میں بھیجنے کے لیے متبادل راستے فراہم کر رہا ہے، یا تو شمالی-جنوبی راستے سے، جو ایران، بحیرہ کیسپین، روس اور وہاں سے یورپی منڈیوں تک جاتا ہے، یا شمالی سمندر اور روس میں ولادیوستک کے راستے یا حتیٰ کہ اس تجارتی راہداری سے جو عراق اور ترکی سے گزرے گی۔

جامد سرمائے کی نکاسی کے ذریعے کے طور پر جنگ

آج، سرمائے کے زیادہ جمع ہونے (Accumulation of Capital) کا مسئلہ، جو اب تسلی بخش منافع کی ضمانت نہیں دے سکتا، بہت زیادہ بڑھ چکا ہے۔ سرمایہ دار حکومتیں ایک طرف "سبز" تبدیلی (بدنام زمانہ Green New Deal) اور دوسری طرف سامراجی مداخلتوں اور جنگوں کے ذریعے، اس رجحان کو کم کرنے کے طریقے تلاش کرنے کی کوشش کر رہی ہیں۔ اس طرح، "سبز تبدیلی (Green Transition)" بڑی سرمایہ دارانہ سرمایہ کاری کے لیے نئے مواقع پیدا کرتی ہے (مثلاً بڑے پن بجلی گھر (Wind Farms)) اور ساتھ ہی موجودہ سرمائے کے کچھ حصے کی کنٹرول شدہ تباہی اور قدر میں کمی (مثلاً لگنائٹ پاور پلانٹس کی بندش) میں مدد کرتی ہے۔ اسی طرح سامراجی جنگ سرمایہ دارانہ منافع کے لیے فائدہ مند ہے۔ یوکرین کے بنیادی ڈھانچے کی فوجی تباہی اور روسی-جرمن 'نورڈ اسٹریم II' پائپ لائن کی 'پراسرار' منسوخی دونوں ہی سرمائے کی نئی منافع بخش سرمایہ کاری کے لیے ایک میدان کھولتی ہیں۔ پہلے ہی (اٹلی کا وزیر اعظم ماریو) دراگی اور دیگر سرکردہ حکام یوکرین کی تعمیر نو کے لیے ایک نئے مارشل پلان کی ضرورت کے بارے میں بات کر رہے ہیں، جو 1 ٹریلین ڈالر سے تجاوز کر سکتا ہے[16]۔

یہ صاف ظاہر ہے کہ "(سرمائے کے) زیادہ اضعاف کو دور کرنے کے ایک کلیدی لیور کے طور پر سبز تبدیلی، اس مسئلے کو حل کرنے کے لیے کافی نہیں ہے[17]"۔

اگر ہم جائزہ لیں کہ جنگ کا استعمال کیسے کیا جاتا ہے، تو ہم دیکھتے ہیں کہ اس کے کم از کم دو پہلو ہیں: 1) جنگی اخراجات میں اضافہ، جہاں سرمایہ داروں کے بھاری منافع کمانے کے لیے ضرورت سے زیادہ سرمایہ لگایا جاتا ہے اور؛ 2) جنگوں سے تباہ ہونے والے شہروں اور انفراسٹرکچر کی تعمیر نو، پھر سے بڑی تعمیراتی کمپنیوں کے منافع کے لیے۔

پہلا پہلو اسٹاک ہوم انٹرنیشنل پیس ریسرچ انسٹی ٹیوٹ (SIPRI) کی ایک رپورٹ کا موضوع ہے، جس کا اندازہ ہے کہ فوجی اخراجات نے نیا عالمی ریکارڈ قائم کیا ہے اور، 2023 میں 6.8 فیصد اضافے کے ساتھ، افراط زر کے مطابق 2.44 کھرب ڈالر تک پہنچ گئے ہیں، جو کہ 2022 میں 2.24 ٹریلین ڈالر تھے، بنیادی طور پر یوکرین کی جنگ کی وجہ سے۔

بیک وقت، ہمیں یہ ضرور کہنا چاہئے کہ "جنگی صنعت تاریخی طور پر رہی ہے، اور آج بھی ہے۔ اضافی (سرمایہ) جمع ہونے کے بحران کو دور کرنے کے لیے یہ ایک اہم ذریعہ ہے، کیونکہ یہ ریاستی اخراجات کا ایک بڑا ذخیرہ بھی بناتی ہے جو کئی شعبوں میں سرمائے کے منافع کو مستحکم کر سکتا ہے۔ تاہم، یہ واضح رہے کہ ہتھیاروں پر ریاستی اخراجات کے ذریعے (سرمائے کے) زیادہ جمع ہونے کا ازالہ کرنے سے اسلحے کے استعمال کی ضرورت بڑھ جاتی ہے، ورنہ سرمائے کی کوئی تباہی نہیں ہو گی[19]"۔

یوکرین کی جنگ کے اعداد و شمار پر ایک نظر ڈالنے سے پتہ چلتا ہے کہ ہزاروں گاڑیاں، بکتر بند اور غیر بکتر بند، ہوائی جہاز، ہیلی کاپٹر اور جنگی جہاز تباہ ہوئے، جب کہ ٹنوں گولہ بارود اور ہتھیار استعمال ہوئے۔ فروری 2024 کے اوائل میں، فوجی تجزیہ کاروں نے اندازہ لگایا کہ غزہ میں 1108 اسرائیلی بکتر بند گاڑیاں تباہ ہو چکی ہیں، جو کہ 3 بکتر بند ڈویژنوں کی تباہی کے برابر ہیں[20]۔

مزید برآں، جنگ چھیڑنے کی قیمت تصور سے بالاتر ہے۔ مثال کے طور پر، شام میں، دمشق میں ایک سفارتی عمارت پر اسرائیلی بمباری کی وجہ سے ہونے والے ایرانی اہلکاروں کے قتل کے بدلے میں ایران کی جانب سے کیے گئے فضائی حملے کو روکنے پر اسرائیل کے 1.35 ارب ڈالر خرچ ہوئے[21]۔

اس لیے یہ کوئی اتفاقی بات نہیں ہے کہ اسرائیل کی اسلحہ ساز کمپنی (IAI) نے، جو سمندری اور زمینی فضائی دفاعی نظام اور ڈرون بنانے والی ایک سرکردہ کمپنی ہے، جس نے پچھلے سال ہمارے ملک میں انٹراکام ڈیفنس (IDE)[22] کا 90.9 فیصد حصہ خریدا، اس کے منافع میں 2023ء میں 49 فیصد اضافہ ہوا[23]۔

جنگوں سے حاصل ہونے والے سرمائے کے منافع کا دوسرا پہلو انفراسٹرکچر کی بحالی اور "تعمیر نو" کا منافع بخش راستہ بھی ہے۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ یوکرین میں ڈھائی سال کی جنگ میں کم از کم 106 اسپتال اور کلینک، 109 مذہبی مقامات (گرجاگھر، مندر، مساجد اور خانقاہیں)، 708 تعلیمی ادارے (اسکول، کالج اور یونیورسٹیاں) اور 210,000 مکانات، محتاط اندازے کے مطابق، تباہ ہو چکے ہیں[24]۔

غزہ کی پٹی میں صرف 9 ماہ میں ہونے والی تباہی بھی بہت زیادہ ہے۔ 3 مئی 2024 کو تصویروں کی بنیاد پر، اقوام متحدہ کے سیٹلائٹ سینٹر (UNOSAT) نے اطلاع دی کہ غزہ میں 55 فیصد عمارتیں (کل 137,297، جن میں سے زیادہ تر رہائشی ہیں) جزوی یا مکمل طور پر تباہ ہو چکی ہیں[25]۔ میڈیا ذرائع کے مطابق، 427 تعلیمی عمارتیں، 248 ہسپتال اور صحت کی سہولیات، 804 مساجد، 3 گرجاگھر اور 206 آثار قدیمہ تباہ ہو چکے ہیں[26]۔ اور تصور کریں کہ یوکرین میں جنگ تین گنا طویل عرصے اور 1000 کلومیٹر تک پھیلی ہوئی ہے، جب کہ غزہ میں محاذ صرف 40 کلومیٹر طویل ہے۔

مختصر یہ کہ مشرقی یوکرین یا غزہ کی پٹی جیسے جنگی علاقوں کی تعمیر نو پر کئی بلین یورو لاگت کا تخمینہ لگایا گیا ہے اور یہ تعمیراتی کمپنیوں کے منافع کو بڑھانے کا ایک اور طریقہ ہے۔

یونانی حکومت کا رویہ

نئی ڈیموکریسی حکومت (ND Government)، پچھلی سائیریزا حکومت کی طرح، دعویٰ کرتی ہے کہ یونان کے پاس مفروضہ طور پر ایک "کثیر جہتی پالیسی" ہے اور وہ "استحکام کا ستون" ہے۔ عملی طور پر، ہمارا ملک جنگ کے دو گڑھوں کے درمیان امریکی اور نیٹو سامراج کو جوڑنے والے قبضے کی طرح کام کر رہا ہے، جس میں نئی ڈیموکریسی حکومت جنگوں کی آگ میں ایندھن ڈالنے کا کام کر رہی ہے۔ یہ پالیسی امریکہ کو فوجی اڈے، گولہ بارود اور ہتھیاروں کے نظام کی فراہمی اور یورپی یونین اور نیٹو سامراجیوں کے منصوبوں میں یونانی مسلح افواج کی شرکت کو یقینی بناتی ہے۔

جہاں تک مشرق وسطیٰ میں ہونے والی پیش رفتوں کا تعلق ہے، یونانی وزیر اعظم میتسوٹاکس (Mitsotakis) کی حکومت گزشتہ برسوں کے دوران پچھلی حکومتوں کے نقش قدم پر چلتے ہوئے اس غلط خیال کو فروغ دے رہی ہے کہ امریکہ، نیٹو اور یورپی یونین کے ساتھ ساتھ اسرائیل بھی ایک اہم "بین الاقوامی کھلاڑی" ہے، جو یونان کی خود مختاری کے حقوق کے تحفظ کے لیے قابل اور مؤثر ہے، بشرطیکہ ہم اسے اپنے معاشی مفاد کے لیے جگہ فراہم کریں۔ اس میں ایک طرف اسرائیل کے ساتھ فوجی تعاون، مشترکہ فوجی مشقیں شامل ہیں اور دوسری طرف مذکورہ تجارتی منصوبے ہیں، جیسے کہ اسرائیل سے یورپ تک گیس پائپ لائن کے منصوبے، اسرائیل، قبرص اور یونان کے درمیان بجلی کا رابطہ اور "بمبئی-پائرس" کا تجارتی راستہ۔

قوم پرست اور دیگر سرمایہ دار حلقوں کی طرف سے پیدا کیا جانے والا یہ تاثر کہ یونانی حکومت ترکی کی جارحیت کا مقابلہ کرنے کے لیے اسرائیل کی حمایت کرتی ہے تاکہ اسرائیلی فوجی مشین (ترکی سے یونان کے) فوجی تصادم کی صورت میں ہمارے ملک کی مدد کر سکے، نہایت گمراہ کن اور خطرناک ہے۔ یہ ایک فسانہ ہے جس کی تردید یونان میں سبکدوش ہونے والے اسرائیلی سفیر نے سب سے زیادہ فصاحت سے کی تھی جب اس نے کہا تھا کہ "کسی بھی ملک کو اپنی سلامتی دوسروں کو نہیں سونپنا (Outsource) چاہیے[27]"۔

اتنا ہی بے بنیاد یہ خیال ہے کہ یونانی حکومتیں امریکہ اور اسرائیل کی مرضی پر چلنے والے پیادے ہیں، جو عرب ممالک کو جوابی وزن کے طور پر استعمال کر کے ان سے سودے بازی کرنے سے انکاری ہیں۔ یہ نقطہ نظر بے بنیاد ہے نہ صرف اس لیے کہ یونانی حکومتیں عرب ممالک جیسے کہ مصر، سعودی عرب، متحدہ عرب امارات وغیرہ کے ساتھ تعلقات استوار کرنے کی کوشش کرتی ہیں، بلکہ اس لیے بھی کہ اس میں اس حقیقت کا ذکر نہیں ہے کہ اسرائیل کی حمایت سرمایہ داروں اور اس کے اتحادیوں کے بڑے مفادات سے منسلک ہے۔ یہ گہری طبقاتی وجوہات ہیں!

ہم دیکھتے ہیں کہ منافع میں اضافے کے لیے اس طرح کے کاروباری منصوبوں کے جسم میں چبھتا ہوا کانٹا صرف فلسطینی عوام کا ہے جسے وہ نیست و نابود کرنا چاہتے ہیں۔ اور چونکہ حکومت اور اس کے اتحادیوں کی طرف سے "قومی مفادات" کی بات بھی اسرائیل کے لیے اپنی حمایت کا جواز پیش کرنے کے لیے کی جاتی ہے، لہذا، ہمیں واضح طور پر اس بات پر زور دینا چاہیے کہ یونان یا کسی دوسرے ملک کا کوئی "قومی مفاد" 15 ہزار بچوں اور بہت سے دوسرے شہریوں کے قتل کو جائز نہیں ٹھہرا سکتا۔

حکومت کی طرف سے جس "قومی مفاد" کا حوالہ دیا جاتا ہے وہ ہمارے لوگوں کا استحصال کرنے والوں کے مفادات اور ان کا منافع ہے۔ فلسطینیوں کے اسرائیلی قتل عام میں ملوث ہونے، امریکہ، نیٹو اور یورپی یونین اور سرمایہ دار روس کے درمیان یوکرین میں سامراجی جنگ میں، نیٹو کی کارروائیوں میں جنگی جہازوں کی شرکت اور اڈوں کی رعایت میں، ان سب کے پیچھے یونانی اجارہ داریوں کے کردار میں ہونے والا اضافہ ہے۔"[28]

جنگ میں یونان کی فوجی شمولیت

یونانی بورژوازی، جو بین الاقوامی سامراجی نظام میں اپنا مقام مضبوط کرنے کے لیے اپنی جارحیت کا اظہار کرتی ہے، وہ خطے میں یورو-اٹلانٹک بلاک کے جنگی منصوبوں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لے رہی ہے۔ مثال کے طور پر، جاری بحری آپریشن "ایسپائیڈس-Aspides" کا آپریشنل ہیڈ کوارٹر، جس نے بحری جنگی جہاز "ہائیڈرا-Hydra" کے بعد "پسارا-Psara" جہاز کی تعیناتی دیکھی ہے، یونانی کمانڈ کے تحت لاریسا میں واقع ہے۔ یہ یورپی آپریشن یونافور (EUNAVFOR) "اٹلانٹا" کے ساتھ قریب سے مربوط ہے، جو کہ مغربی سمندر اور بحیرہ احمر میں ایک یورپی بحری سیکورٹی آپریشن ہے، جس میں ماضی میں یونانی جنگی جہازوں نے حصہ لیا ہے، اور امریکہ کی زیر قیادت آپریشن "خوشحالی گارڈین" کے ساتھ بھی۔ یونان، فرانس، اٹلی، جرمنی، بلجیئم، اسپین اور ڈنمارک اس موخر الذکر آپریشن میں حصہ لے رہے ہیں، جو بارہ ماہ تک جاری رہے گا۔

یونان نے لبنانی سیاسی عسکری تنظیم حزب اللہ پر ہتھیاروں کی پابندی کی نگرانی کے لیے لبنان سے باہر یونیفل "UNIFIL" فورس کے لیے ایک بحری جنگی جہاز بھی فراہم کیا ہے۔

یونان 2021ء سے سعودی عرب کے اہم انفراسٹرکچر کو میزائل اور ڈرون حملوں سے بچانے کے لیے بین الاقوامی اقدام "انٹیگریٹڈ ایئر میزائل ڈیفنس (IAMD)" میں حصہ لے رہا ہے۔ پیٹریاٹ میزائل بیٹری اور اس کے اہلکار، جسے سعودی عرب کے لیے یونانی دستہ بھی کہا جاتا ہے، کو ریاض کے مضافات میں ایک اسٹریٹجک مقام پر تعینات کیا گیا ہے تاکہ سرکاری تیل کی کمپنی "آرامکو ARAMCO" کی سہولیات پر فضائی دفاعی چھتری فراہم کی جا سکے۔

اس کی وہاں موجودگی، بدلے میں، مشرق وسطیٰ کی جنگ میں یونان کو شامل کرتی ہے۔ اہم بات یہ ہے کہ یونانی پیٹریاٹ بیٹری مبینہ طور پر 13 اپریل کی رات کو الرٹ پر رکھی گئی تھی، جب اسرائیل پر ایرانی حملہ ہوا تھا۔ اطلاعات کے مطابق، یونانی نظام کے ریڈار نے سعودی عرب کی سرزمین پر یا اس کے قریب سے گزرتے ہوئے اسرائیل کو نشانہ بنانے والے میزائلوں اور ڈرونز کے راستے کو ٹریک کیا، اور اسرائیل کے دفاع کے لیے سرگرم امریکہ اور برطانیہ کے آپریشن مراکز کو معلومات فراہم کیں[29]۔

سرمایہ دارانہ اور موقع پرست دلائل اور رجحانوں کے خلاف یونانی کمیونسٹ پارٹی کی جدوجہد

دہشت گردی: جنگ میں اپنی شمولیت اور مشرق وسطیٰ میں، جہاں اس نے اسرائیل اور اس کے اتحادیوں کا ساتھ دیا ہے، نئی ڈیموکریسی پارٹی کی حکومت (ND Government)، سائیریزا (Syriza)، پاسوک (PASOK) اور قوم پرست تنظیموں کے ساتھ مل کر، پورے عوام کی جدوجہد کو "دہشت گردی" کا نام دیتی ہے اور اس کے علاوہ، حق خودارادیت کے نام پر ان کے خلاف ہونے والے قتل عام کو جواز فراہم کرنے کی کوشش کرتی ہے۔ یہاں تک کہ اس نے اقوام متحدہ کی اس قرارداد پر ووٹ دینے سے گریز کیا جس میں غزہ میں فوری اور انسانی بنیادوں پر جنگ بندی کا مطالبہ کیا گیا تھا اور جس کے حق میں 120 ریاستوں نے ووٹ دیا تھا۔ یہ حکومت اشتعال انگیز طور پر یونانی کمیونسٹ پارٹی سمیت ہر کسی سے "دہشت گردی کی مذمت" کرنے کا مطالبہ کرتی ہے۔

یونانی کمیونسٹ پارٹی کو اچھی طرح معلوم ہے کہ سرمایہ دار طبقے اور سامراجی طاقتیں کئی دہائیوں سے دہشت گردی کے تصور کو اپنے عوام دشمن منصوبوں کو فروغ دینے اور سامراجی مداخلتوں اور جنگوں کو جواز فراہم کرنے کے لیے استعمال کر رہی ہیں۔ "دہشت گردی" ایک لچکدار تصور بن گیا ہے جسے اپنی مرضی سے استعمال کیا جا سکتا ہے۔ یورپی یونین میں، نام نہاد انسداد دہشت گردی کے قوانین کو فروغ دیا جا رہا ہے، جو محنت کشوں، کسانوں اور نوجوانوں کی جدوجہد کو نشانہ بناتے ہیں۔ نتیجتاً، بڑے پیمانے پر مظاہرے یا کام کی جگہ یا عوامی جگہ پر جیسے کہ گلی محلہ وغیرہ، کو "دہشت گردی کی کارروائی" کے طور پر بیان کیا جا سکتا ہے اور متعلقہ قانونی دفعات کو ملوث کارکنوں، کسانوں اور طلباء کے خلاف مقدمہ چلانے کے لیے لاگو کیا جا سکتا ہے۔ اسی طرح، "دہشت گردانہ کارروائی اور بنیاد پرستی کے خلاف جنگ" کا استعمال ممالک کے اندر بھی بڑے پیمانے پر حفاظتی نگرانی اور جبر کے اقدامات کو جواز فراہم کرنے کے لیے کیا جاتا ہے، مثال کے طور پر "ہنگامی حالات" جن کا بہانہ بنا کر دیگر ہتھکنڈوں کے علاوہ جابرانہ قانون سازی کو مسلسل سخت کیا جاتا ہے۔

اسی طرح "دہشت گردی" کا تصور بین الاقوامی سطح پر بھی سرمایہ دار طبقوں کے مقاصد کی تکمیل کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر، نام نہاد آزاد شامی فوج (فری سیرین آرمی)، جو شام میں متعدد جرائم کی ذمہ دار ہے، امریکہ اور اس کے اتحادیوں کے لیے "دہشت گرد تنظیم" نہیں ہے، جبکہ حماس کو دہشت گرد سمجھا جاتا ہے۔ اسی طرح کی مثالیں دیگر مسلح سیاسی عسکری تنظیموں کے لیے بھی مل سکتی ہیں، جیسے کہ طالبان یا شام میں کرد۔ یہ اس بات پر منحصر ہے کہ دنیا بھر کے سرمایہ دار طبقے کے لیے کیا مناسب ہے۔

مزید برآں، سرمایہ دارانہ پروپیگنڈہ "القاعدہ" اور طالبان جیسی تنظیموں کو حماس جیسی طاقتوں سے خلط ملط کرتا ہے۔ القاعدہ اور طالبان جیسی تنظیموں کو سامراجیوں نے اپنے مقاصد کے لیے بنایا تھا۔ ان تنظیموں پر اپنا کنٹرول کھونے سے پہلے انہوں نے ان کی حمایت کی تھی اور انہیں مسلح کیا تھا۔ اس کے برعکس حماس، 2006ء کے انتخابات میں پہلے نمبر پر آئی تھی اور اس نے ثابت کیا تھا کہ اس سرمایہ دارانہ طاقت کو، اسرائیلی قبضے کے تشدد اور غزہ کی پٹی کی دوسری سیاسی طاقتوں کے عمل کی کمزوری کی وجہ سے، غزہ کی پٹی میں فلسطین کی آزادی کے لیے لڑنے والی قوتوں کی حمایت حاصل تھی۔

یونانی کمیونسٹ پارٹی اس سیاسی-فوجی تنظیم (حماس) سے بالکل مختلف نظریاتی، سیاسی اور فلسفیانہ خیالات رکھتی ہے۔ تاہم، وہ مبینہ طور پر حماس کو ختم کرنے کے لیے، غزہ پر بڑے پیمانے پر بمباری اور ہزاروں چھوٹے بچوں کے قتل کو لوگوں کے شعور میں دیرینہ اسرائیلی قبضے کا جواز فراہم کرنے کی اجازت نہیں دے گی، جب کہ تمام شواہد فلسطینی عوام کے خلاف اسرائیل کے حقیقی مجرمانہ مقاصد کو ظاہر کرتے ہیں۔

مزید برآں، ہم اسرائیلی حکام کی طرف سے گھڑے گئے "حماس کے مظالم" کے ثبوت پر کوئی اعتبار نہیں رکھتے۔ یونانی صحافیوں کی جانب سے منعقدہ عوامی تقریبات میں پیش کیے گئے شواہد پہلے ہی ان میں سے کافی خبروں کو جعلی ثابت کر چکے ہیں۔

ہم ایک اور چیز کو مدنظر رکھتے ہیں۔ طویل عرصے سے جاری اسرائیلی قبضہ، جبر اور نسل پرستی درحقیقت شدید غصے، انتقامی کارروائیوں اور زیادتیوں کا باعث بن سکتے ہیں۔ فلسطین کے عوام کے خلاف سات دہائیوں سے جاری جنگ خود ایک ظلم ہے جس میں لاکھوں فلسطینیوں کو قتل اور تشدد کا نشانہ بنایا گیا ہے۔ کارکنوں کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ جنگ کے اسباب اور نوعیت، دیرینہ اسرائیلی قبضے کے المناک نتائج اور فلسطینی عوام کے قتل عام پر توجہ مرکوز کریں، جو مسلح بغاوت اور غاصبوں کے خلاف جدوجہد سمیت ہر طرح سے اپنی آزادی کے لیے لڑنے کا حق رکھتے ہیں۔

تہذیبوں کا تصادم

کچھ لوگ "مذاہب کا تصادم" یا "تہذیبوں کا تصادم"[30] جیسے مبہم نظریے پر دوبارہ بحث کرتے ہیں، جس کے مطابق مندرجہ بالا سب کچھ یہودی یا یہاں تک کہ یہودی-عیسائی تہذیب اور مسلم تہذیب کے درمیان تصادم کی وجہ سے ہو رہا ہے۔ اس سے بڑی کوئی بکواس نہیں ہے، کیونکہ یہ نقطہ نظر طبقاتی تضادات، طبقات کے درمیان جدوجہد، جو کہ تاریخ کی اصل محرک ہے، کو ختم کر دیتا ہے۔ تاہم، سرمایہ دار طبقے کے لیے یہ طریقہ عوام کو اپنے نظام میں شامل کرنے کے لیے بہت آسان ہے۔ اس طرح، آج ہم دیکھتے ہیں کہ "شناخت کی سیاست" اور "روایتی اقدار کے دفاع" کو یورو-اٹلانٹک بلاک اور روس میں بالترتیب، دونوں طرف کے سرمایہ داروں کی ترجیحات کے مطابق استعمال کیا جاتا ہے۔

مشرق وسطیٰ کے معاملے میں، حالیہ برسوں میں اسرائیل کے ساتھ متعدد عرب اور مسلم ممالک کے "ابراہیمی معاہدوں" میں عرب اور یہودی سرمایہ داروں کے منافع میں اضافہ اس طرح کے نظریات کی بے ہودگی یا مصلحت کو اجاگر کرتا ہے۔ مثال کے طور پر، یہودی اسرائیل نے مسلمان آذربائیجان کو نگورنو-کاراباخ میں عیسائی آرمینی لوگوں پر جبر کے لیے امداد فراہم کی ہے۔(2016 سے 2020ء کے درمیان آذربائیجان کا قریبا 70 فیصد اسلحہ اسرائیل سے آیا۔ اکتوبر 2023ء میں اخبار "لاس اینجلس ٹائمز" کی ایک رپورٹ کے مطابق "اسرائیل نے نگورنو-کاراباخ پر دوبارہ قبضے کے لیے آذربائیجان کی خاموشی سے مدد کی ہے"۔ رپورٹ کے مطابق، اسرائیل میں آرمینیا کے سفیر، ارمان آکوپیان، نے "ایسوسی ایٹڈ پریس" کو بتایا کہ "ہمارے لیے بڑی تشویش کی بات ہے کہ اسرائیلی ہتھیار ہمارے لوگوں پر فائرنگ کر رہے ہیں"۔ مترجم)

اگر ہم مختلف ثقافتوں اور مذاہب یا اکثر اسلامی دہشت گردی کو موردِ الزام ٹھہرانے کی کوشش کرنے والے انتشاری خیالات کا پردہ ہٹالیں، تو ہم مذکورہ بالا تمام بڑے کاروباری اور سرمایہ دارانہ مفادات کو، سرمایہ دارانہ نظام اور اس کی حرکت کے قوانین کو سمجھ سکتے ہیں، جو سامراجیت کے تحت غیر منصفانہ جنگوں کی وجہ ہیں۔

اسرائیل کی ریاست اور عوام کے وجود کے بارے میں

اسرائیلی سرمایہ دار ریاست کا ظہور، جو آج ایک حقیقت ہے، دوسری جنگ عظیم کے چند سال بعد شروع ہوا۔ دوسری جنگ عظیم سے قبل نازیوں کے ہاتھوں یہودیوں کا قتل عام اور بہت سے سرمایہ دارانہ ممالک میں سرمایہ دار طبقوں کی طرف سے پروان چڑھائی جانے والی یہود دشمنی، سوویت یونین کی طرف سے فلسطینی ریاست کے ساتھ ساتھ اسرائیلی ریاست کے قیام کی بین الاقوامی مزدور تحریک کو قبول کرنے کا باعث بنی۔ اس فیصلے کی صریح خلاف ورزی اسرائیل کی سرمایہ دار ریاست نے کی ہے جس کا سرمایہ دار طبقہ کئی دہائیوں سے فلسطینی سرزمین کے ایک بڑے حصے پر قابض ہو کر فلسطینی عوام کے حقوق کو پامال کر رہا ہے۔

امریکہ اور یورپی یونین نے اسرائیلی سرمایہ داروں اور ان کی ریاست میں اپنا انتہائی ضروری اتحادی پایا، جس نے انہیں خطے کے ان دیگر سرمایہ دار طبقوں کے ساتھ مل کر خطے میں ثالثی کرنے کا حق دیا جو خود اپنی حیثیت کو بھی بڑھانا چاہتے تھے۔ یہ جغرافیائی سیاسی کھیل، جو کہ سوویت یونین میں سوشلزم کے خاتمے کے بعد سے اور بھی زیادہ ڈرامائی انداز میں کھیلا گیا ہے، اس کا شکار پوری قوم، فلسطینی عوام ہیں، جن کو ان تمام سالوں میں وطن دینے کا وعدہ کیا گیا تھا لیکن ان کا خواب ادھورا رہ گیا ہے۔

اسرائیل کے عوام بھی اس لیے اس کی قیمت ادا کر رہے ہیں کہ وہ اسرائیلی سرمایہ دار اور اس کی ریاست کی پالیسیوں کا شکار ہیں۔ یونان کی کمیونسٹ پارٹی، اسرائیل کی کمیونسٹ پارٹی کے ساتھ، اسرائیل کے کمیونسٹوں، یہودیوں اور عربوں کے ساتھ اپنی یکجہتی کا اظہار کرتی ہے، جو اس وقت شیر کی مانند جدوجہد کر رہے ہیں اور فلسطینی عوام کے خلاف ہونے والی بربریت کے خلاف مزاحمت کی آواز بلند کر رہے ہیں۔
یونانی کمیونسٹ پارٹی نے فلسطینی عوام کے ساتھ اپنی مکمل یکجہتی اور حمایت کا اظہار کیا ہے، انہیں اپنی ریاست اور اپنی سرزمین کا مالک ہونے کی ضرورت ہے۔ ساتھ ہی اس نے اس بات پر زور دیا ہے کہ اسرائیلی عوام بھی اسرائیل کی سرمایہ دارانہ ریاست اور نیتن یاہو کی رجعت پسند حکومت کی پالیسیوں کا شکار ہیں۔

یونانی کمیونسٹ پارٹی کے اس بیان کو "عالمی سامراج مخالف پلیٹ فارم" کی بعض قوتوں کی طرف سے دشمنی کا سامنا کرنا پڑا، جو اسرائیل کی ریاست کے وجود کو تسلیم نہیں کرتے، نہ ہی اسرائیلی بورژوازی اور اسرائیلی عوام کے وجود کو، اور اسے امریکی اڈہ قرار دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ اسے تباہ کر دینا چاہیے۔(نام نہاد "عالمی سامراج مخالف پلیٹ فارم" چینی سامراج کے حمایتی "لیفٹ" کا

ایک پلیٹ فارم ہے۔ یونانی کمیونسٹ پارٹی چین کو سوشلسٹ ملک تسلیم نہ کرنے کی وجہ سے، چینی کمیونسٹ پارٹی کی سرمایہ دارانہ پالیسیوں پر تنقید کی وجہ سے، عالمی سامراجی نظام میں چین کی شراکت کو سامنے لانے کی وجہ سے اور "سامراجی احرام (Imperialist Pyramid)" کے اپنے نظریے کی وجہ سے، عمومی طور پر اس پلیٹ فارم پر موجود پیٹی بورژوا گروہوں کی تنقید کی زد میں رہتی ہے۔ مترجم)

یہ قوتیں یہ دیکھنے سے انکاری ہیں کہ عوام جس چیز کا سامنا کر رہے ہیں اس کی اصل وجہ موجودہ مرحلے کا وحشیانہ استحصالی نظام ہے، یعنی اجارہ داری کا (سامراجی) نظام، جہاں اجارہ داریوں اور سرمایہ دار طبقوں کے درمیان جدوجہد تیز ہوتی جارہی ہے اور ہر طرح سے جاری ہے۔ اس میں نہ صرف اپنے ملکوں کے محنت کشوں کا استحصال کیا جارہا ہے، بلکہ دوسرے ملکوں کے خام مال، مصنوعات کے تجارتی راستوں، جغرافیائی کنٹرول اور مارکیٹ شیئرز کے لیے بھی۔ اور اسرائیل کی سرمایہ دار ریاست اور اس کا سرمایہ دار طبقہ امریکہ اور یورپی یونین کے لیے ایک ایسا ہی سیاسی جغرافیائی ٹھکانہ ہے نہ کہ صرف ایک فوجی اڈہ۔

فلسطین کا دو ریاستی حل اور 1967ء سے پہلے موجود سرحدیں

اوپر ہم نے ذکر کیا کہ سوویت یونین نے اسرائیل کی ریاست کے قیام کی حمایت کی، اور خاص طور پر اقوام متحدہ میں سوویت وفد نے کہا کہ "یہودیوں اور عربوں کے مساوی حقوق کے ساتھ ایک واحد عرب یہودی ریاست کا قیام اس پیچیدہ مسئلے کے حل کے لیے زیادہ قابل ذکر طریقوں میں سے ایک سمجھا جاسکتا ہے"۔ ساتھ ہی سوویت وفد نے یہ بھی واضح کیا کہ "یہود اور عربوں کے تعلقات میں بگاڑ کے پیش نظر اگر اس منصوبے پر عمل درآمد ناممکن ثابت ہوا تو پھر دوسرے منصوبے (...) پر غور کرنا ہوگا جو فلسطین کو دو آزاد خود مختار ریاستوں میں تقسیم کرنے کا انتظام کرتا ہے، ایک یہودی اور ایک عرب۔ میں دہراتا ہوں کہ مسئلہ فلسطین کا ایسا حل صرف اسی صورت میں جائز ہوگا جب فلسطین کی یہودی اور عرب آبادیوں کے درمیان تعلقات واقعی اتنے خراب ثابت ہوں کہ ان میں مصالحت کرنا اور عربوں اور یہودیوں کے پرامن بقائے باہمی کو یقینی بنانا ممکن نہ رہے۔ سوویت وفد نے "مغربی یورپی ریاستوں" پر بھی تنقید کرتے ہوئے کہا کہ "یہ حقیقت کہ کوئی مغربی یورپی ریاست یہودیوں کے بنیادی حقوق کے دفاع کو یقینی بنانے اور اسے فاشسٹ جلادوں کے تشدد سے بچانے میں کامیاب نہیں ہو سکی ہے، یہودیوں کی اپنی ریاست قائم کرنے کی خواہشوں کی وضاحت کرتی ہے"[31]۔

سوویت اخبار "پراودا" نے لکھا کہ "اقوام متحدہ کی تقسیم کی قرارداد (...) فلسطین کی غیر ملکی انحصار سے آزادی کو یقینی بناتی ہے، یہودیوں اور عرب لوگوں کی قومی امیدوں کو پورا کرتی ہے، فلسطین کی یہودی اور عرب آبادیوں کو غیر ملکی سامراجی اثر ورسوخ سے آزاد، اپنی سرزمین پر مالک بننے کے قابل بناتی ہے[32]"۔ اس میں عرب-اسرائیل تنازعے کو خطے میں "برطانوی اور امریکی پالیسیوں کا نتیجہ" قرار دیا گیا۔

ہم یہ سب کچھ اس بات کی نشاندہی کے لیے بتا رہے ہیں کہ اس مسئلے کا ایک تاریخی تسلسل ہے اور دو ریاستی حل کے بارے میں اقوام متحدہ کی قرارداد برسوں میں تیار ہوئی ہے[33]، جبکہ آج کی حقیقت یہ ہے کہ اسرائیلی ریاست ایک قابض ریاست ہے جو اقوام متحدہ کی اس قرارداد اور فلسطینی عوام کے حقوق کی صریح خلاف ورزی کرتی ہے۔

لہٰذا، آج یانس وروفاکس (Yanis Varoufakis) کے بائیں بازو کے محاذ "میرا25 (MeRA25)" اور اس کے بین الاقوامی اتحاد "25 Diem" جیسے نقطہ نظر، جو 2021 سے دو ریاستی حل کی مخالفت کرتے ہیں اور یہ دلیل دیتے ہیں کہ اب فلسطینی ریاست کا وجود میں آنا ناممکن ہے، کیونکہ (فلسطین میں) اسرائیلی بستیوں کے قیام نے پہلے ہی ایسے حالات پیدا کر دیے ہیں جنہیں اب بدلا نہیں جاسکتا اور اس لیے اسرائیل جارحیت کے آگے سرنگوں کر دینا چاہیے اور اس کی فوجی طاقت اور اس کے اتحادیوں نے جو حقیقت مسلط کی ہے اسے تسلیم کر لینا چاہیے۔ یہ نقطہ نظر، جو ہم سے 1967 سے قبل مشرقی یروشلم کے دارالحکومت کے ساتھ موجود سرحدوں پر اپنی ریاست قائم کرنے کے فلسطینی عوام کے حق سے دستبردار ہونے کا مطالبہ کرتا ہے، جو کہ سب سے زیادہ تسلیم شدہ بین الاقوامی مطالبہ ہے (145 ریاستوں نے اسے تسلیم کیا ہے)، اور فلسطین کے سوال کو "قومی سوال" سے بدل کر انسانی حقوق کے سوال میں تبدیل کرنا ہے، یہ درحقیقت اسرائیلی قبضے کو تسلیم کرنا ہے اور یہ ماننا ہے کہ فلسطینی عوام کا کوئی وطن نہیں ہوگا، مقبوضہ فلسطینیوں کو بس کچھ "انسانی حقوق" دے دیے جائیں گے۔ یہ کاسموپولیٹن نقطہ نظر، جو ایک مبہم "عالمگیریت" کے نام پر لوگوں کی قومی اور دیگر خصوصیات کو مٹا دیتا ہے، ہرگز ترقی پسند نہیں، کیونکہ یہ فلسطینی عوام اور قوتوں کے بین الاقوامی منفی تعلق کے اندر جدوجہد کرنے والے تمام لوگوں کے درمیان شکست وریخت کا احساس پیدا کرنا چاہتا ہے۔

سوشلزم کے لیے جدوجہد اور قومی آزادی کا سوال

مختلف ٹراٹسکائی قوتیں، جو سوشلزم کی جدوجہد سے متعلق مسائل میں ابہام پیدا کرنے اور ایک ملک میں اس کی تعمیر کے امکان سے انکار کرنے کا موروثی رجحان رکھتی ہیں، فلسطینی عوام کی قومی آزادی کی جدوجہد کے بارے میں تشویش کا اظہار کرتی ہیں اور اس بارے میں کہ کیا سامراجی نظام کے اندر ایسی جدوجہد ممکن ہے، خاص طور پر جب ہم کہتے ہیں کہ ہمارا دور سرمایہ داری سے سوشلزم کی طرف منتقلی کا دور ہے۔ کچھ لوگ یونانی کمیونسٹ پارٹی پر تنقید کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ دیگر تمام معاملات میں یہ سوشلزم کی ضرورت اور اس کے بروقت ہونے کی بات کرتی ہے، مگر اس معاملے میں یہ صرف فلسطینی عوام کے اپنی ریاست کے قیام کے حق پر توجہ مرکوز کرتی ہے[34]۔

تاہم، یہ قوتیں اس حقیقت کو نظر انداز کرتی نظر آتی ہیں کہ اگرچہ پوری دنیا پر اجارہ داریوں کا غلبہ ہے اور ہم سرمایہ داری کے اجارہ دار مرحلے میں ہیں، جسے لینن نے سامراجیت سے تعبیر کیا تھا، تاہم، اس کا یہ مطلب نہیں کہ غیر ملکی قبضے کے خلاف قومی آزادی کی جدوجہد نہیں ہو سکتی۔ فلسطین قومی آزادی کی ایسی ہی منصفانہ جنگ لڑ رہا ہے، یعنی، قبضے کے خلاف جنگ، جس کا مقصد فلسطینی عوام کا اپنے وطن کے حق پر زور دینا ہے۔ اس میں کوئی شک یا بحث نہیں ہو سکتی۔ اسرائیل اور اس کے اتحادیوں (امریکہ، نیٹو، یورپی یونین) کی طرف سے، یہ قبضے کو برقرار رکھنے اور خطے میں اپنے مفادات کی تکمیل کے لیے ایک غیر منصفانہ سامراجی جنگ ہے۔

یہ سامراجی دور ہی تھا جس میں یونانی کمیونسٹ پارٹی نے ایسی جدوجہد کی قیادت کی، جس میں نیشنل لبریشن فرنٹ (EAM)، یونانی پیپلز لبریشن آرمی (ELAS) اور غیر ملکی (جرمن، اطالوی اور بلغاریائی) فاشسٹ قبضے کے خلاف دیگر مزاحمتی تنظیمیں 1941 سے 1944 کے عرصے میں تشکیل دی گئیں۔ یونانی کمیونسٹ پارٹی ہی مزاحمت کے اس عظیم جدوجہد کی رگوں میں دوڑتا خون، اس کی ناظم اور اس کا ذہن تھی۔ ہمیں اپنی پارٹی پر اس بات پر فخر ہے کہ وہ اس جدوجہد میں پیش پیش ہے، اور جو بھی تنقید ہم کرتے ہیں اس کا تعلق اس عظیم جدوجہد کو کارکنوں کی طاقت سے جوڑنے میں ہماری پارٹی کے کام کی نظریاتی اور سیاسی نااہلی سے ہے۔

یونانی کمیونسٹ پارٹی کے لیے سوشلزم تمام دنیا کے لیے، ہر سرمایہ دار ملک کے لیے ضروری اور بروقت ہے۔ تاہم، ان حالات میں جن میں ہر ملک میں محنت کش عوام کی جدوجہد جاری ہے، اہم "کڑیاں" ابھرتی ہیں جو طبقاتی جدوجہد کو تحریک دے سکتی ہیں۔ یہ کمیونسٹ پارٹی اور مزدور تحریک کے لیے محنت کشوں کی عوامی قوتوں کی تیاری، ریلی نکالنے اور متحرک کرنے کے لیے ایک اہم سوال ہے کہ وہ سوشلزم کی جدوجہد میں ان کڑیوں کو مدنظر رکھیں۔ اور آج فلسطین میں، کلیدی "کڑی" غیر ملکی اسرائیلی قبضے کا خاتمہ اور فلسطینی ریاست کے قیام کی جدوجہد ہے۔

لہٰذا، یہ فلسطینی محنت کش طبقے اور اس کے ہراول دستے، کمیونسٹ پارٹی، کا کام ہے کہ وہ ایک ایسی سمت مرتب کرے جو اس "کڑی" کو سماجی آزادی، محنت کشوں کی طاقت اور نئے سوشلسٹ معاشرے کی تعمیر کے مقصد سے جوڑے۔

ہمارا کام، یعنی دوسرے ممالک کے محنت کشوں اور نوجوانوں کا، اس جدوجہد کی حمایت کرنا اور قابض افواج کے ساتھ لڑائی میں اس کے شانہ بشانہ کھڑا ہونا ہے۔ یونانی کمیونسٹ پارٹی، فلسطینی کمیونسٹ پارٹی اور فلسطینی پیپلز پارٹی کے ساتھ تعلقات برقرار رکھتی ہے، جو 1991 میں فلسطین کے کمیونسٹ پارٹی کے اندر تقسیم سے ابھری تھی، اور اس کے پاپولر فرنٹ اور ڈیموکریٹک فرنٹ فار دی لبریشن آف فلسطین کے ساتھ رابطے ہیں۔ ہماری پارٹی ان تمام قوتوں کی جدوجہد کا احترام کرتی ہے، جو خاص طور پر مشکل حالات میں ہو رہی ہے، اور ہر ممکن موقع پر مختلف طریقوں سے ان کے ساتھ اپنی یکجہتی کا اظہار کرتی ہے۔

مبینہ طور پر "اپنے دفاع کا حق"

آج، بین الاقوامی قانون زیادہ سے زیادہ رجعت پسند ہوتا جا رہا ہے اور سامراجی طاقتوں کی طرف سے اپنے مقابلے کے تناظر میں اور عوام کو نقصان پہنچانے کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔ کمیونسٹوں کو ان خیالات کے خلاف لڑنا چاہیے جو اس حقیقت کو دھندلا دیتے ہیں۔ ایسا ہی ایک معاملہ "اسرائیل کے اپنے دفاع کے حق" کا مطالبہ ہے، جسے یونان میں نئی ڈیموکریسی حکومت اور

دیگر سرمایہ دار پارٹیوں (سائیریزا، پاسوک، وغیرہ) نے پھر سے استعمال کیا ہے۔ انہوں نے یورپی پارلیمنٹ میں قراردادوں کے ایک سلسلے کے لیے ووٹ دیا ہے جو "حق خود ارادیت" کے نام پر اسرائیل کے جرائم کو جائز قرار دیتا ہے۔

باضابطہ طور پر، بین الاقوامی قانون اس وقت کسی دوسری ریاست کی سرزمین پر فوجی کارروائی کرنے کے حوالے سے تین صورتیں فراہم کرتا ہے: 1) اقوام متحدہ کی سلامتی کونسل کی قرارداد کے ذریعے، جیسا کہ لیبیا کے معاملے میں؛ 2) زیر بحث ریاست کی جائز حکومت کی دعوت پر، جیسا کہ شام میں روس کی فوجی کارروائیوں کے معاملے میں؛ اور 3) "دفاعِ ذات (Self-defense)" کی وجوہات کے لیے۔

شام میں اپنی فضائی اور زمینی فوجی کارروائیوں کو جواز فراہم کرنے کے لیے امریکہ اور ترکی نے شروع سے ہی اقوام متحدہ کے چارٹر کے "دفاعِ ذات" اور "آرٹیکل 51" کا مطالبہ کیا ہے۔

یہ بات قابل غور ہے کہ اقوام متحدہ کے چارٹر کا آرٹیکل 51، جو مسلح حملے کے خلاف کسی ملک کے اپنے دفاع کے حق سے متعلق ہے، ہمیشہ اس طرح سے وضع نہیں کیا گیا۔ اصل میں، اس کا اطلاق صرف اقوام متحدہ کے رکن ملک کے "غیر ملکی فوج کے حملے" کی صورت میں ہوتا تھا اور جب تک کہ اقوام متحدہ کی سلامتی کونسل کی متعلقہ قرارداد منظور نہیں ہو جاتی، حملہ آور ریاست کے خلاف اپنے دفاع میں اس حملے کے جواب میں اسے یہ حق دیا جاتا تھا، حتیٰ کہ اس کی سرحدوں سے باہر بھی۔

تاہم، 11 ستمبر 2001 کے بعد، امریکہ نے اقوام متحدہ کی سلامتی کونسل سے اس آرٹیکل کی "توسیع شدہ تشریح" کی اپیل کی، تاکہ اسے طالبان کے خلاف جنگ میں افغانستان پر حملے اور قبضے میں استعمال کیا جا سکے۔ اقوام متحدہ کی سلامتی کونسل (اور روس) نے امریکی درخواست کو قبول کر لیا اور اب اپنے دفاع کا مطلب کسی مخصوص ریاست کے حملے (فوجی حملے) کا ردعمل نہیں بلکہ عمومی طور پر مسلح حملہ اس سے مراد ہے، جو بات ظاہر ہے کہ تشریح کے لیے کھلی ہے۔

اسرائیل کے معاملے میں، اس حق کی درخواست کرنا ایک بے مثال اشتعال انگیزی ہے، کیونکہ اس نے بین الاقوامی قانون کے ہر تصور کی کھلم کھلا خلاف ورزی کی ہے، غیر ملکی سرزمین پر قبضہ کیا ہے، اقوام متحدہ کی قراردادوں کی تعمیل سے انکار کیا ہے (مثلاً پناہ گزینوں کی واپسی پر)، غیر قانونی بستیاں قائم کی ہیں اور بنیادی طور پر ایک قابض طاقت ہے، لوگوں کے خلاف کام کر رہی ہے اور اس طرح کے جرائم کا ارتکاب کر رہی ہے۔ وہ لوگ جو "اسرائیل کے اپنے دفاع کے حق" یعنی اپنے دفاع کے لیے قابض طاقت کے حق کا مطالبہ کرتے ہیں، وہ ان لوگوں کی طرح ہیں جو ہمارے ملک میں فاشسٹ قابضین کے ہاتھوں ڈسٹومو، کالاوریتا، کو مینو میں نازیوں کے قتل عام اور بہت سے دوسرے جرائم کو "اپنے دفاع" کے طور پر جائز قرار دیتے ہیں۔

فلسطینی عوام کے ساتھ یکجہتی کو یہود دشمنی سے تشبیہ دینے کی ناقابل قبول مساوات

بہت سے سرمایہ دار ملکوں میں جن کے سرمایہ دار طبقے کھلے عام اسرائیل کے قاتلانہ اقدامات کی حمایت کرتے ہیں، جیسا کہ امریکہ اور جرمنی، وہاں قتل عام کا شکار ہونے والے فلسطینیوں کے ساتھ اظہار یکجہتی کے لیے ہونے والے مظاہروں کے خلاف ایک جابرانہ طریقہ کار وضع کیا گیا ہے، یہاں تک کہ "آزادی اظہار" کے سرمایہ دارانہ دعووں کے خلاف بھی۔ امریکا میں طلبہ اور پروفیسروں کو گرفتار کر کے یونیورسٹیوں سے نکال دیا گیا ہے جب کہ جرمنی کے متعدد شہروں میں فلسطینی عوام کے حق میں ہونے والے مظاہروں پر پابندی عائد کر دی گئی ہے۔

پوری جابرانہ کارروائی فلسطینی عوام کے ساتھ یکجہتی کو یہود دشمنی سے تعبیر کرنے کی ناقابل قبول مساوات میں ملبوس ہے۔ یکجہتی کے اظہار کو نفرت انگیز تقریر کہا جاتا ہے تاکہ سنسر شپ کے بہت سے مزید اقدامات، حتیٰ کہ احتیاطی اقدامات کو بھی جائز بنایا جا سکے۔ یونان میں میڈیا کے ایک حصے اور کچھ حکومتی عہدیداروں نے اسی طرح کی مساوات تیار کی ہے۔ یہودی کمیونٹی کے مرکزی بورڈ کی مجلس صدارت کے اراکین سے میٹنگ کے بعد وزیر تعلیم کے۔ پائراکاکس نے اپنے بیان میں فلسطینیوں کے ساتھ اساتذہ کی ٹریڈ یونین تحریک کی یکجہتی کو یہود دشمنی سے تشبیہ دی۔

یونانی کمیونسٹ پارٹی اور ٹریڈ یونینوں نے ان انتشار پھیلانے والے بیانات کے خلاف موقف اختیار کرنے میں تیزی دکھائی، جو اسرائیلی ریاست کے قیام میں نہ صرف سوویت یونین بلکہ منظم ٹریڈ یونین تحریک کے کردار سے لاعلمی پر مبنی ہیں۔ مثال کے طور پر، 1945 میں ورلڈ فیڈریشن آف ٹریڈ یونینز (WFTU) کی بانی کانفرنس نے اسرائیلی ریاست کے قیام کے حق میں ایک خصوصی قرارداد منظور کی[35]، جب کہ چند سال بعد اس نے دوبارہ عرب عوام کے خلاف اسرائیل کے جارحانہ اور توسیع پسندانہ اقدامات کی مذمت کی[36]۔ آج تک وہ ان سرحدوں پر ایک آزاد اور خود مختار فلسطین کے لیے جدوجہد جاری رکھے ہوئے ہے جو 1967 سے پہلے موجود تھیں۔

جہاں تک ہمارے ملک کا تعلق ہے، یہ بات سب کو معلوم ہے کہ نازیوں کے قبضے کے دوران اور جب سرمایہ داروں کے ایک حصہ نے نازیوں کے ساتھ مل کر یہودیوں کی نسل کشی کے منصوبوں کو عملی جامہ پہنایا تو یونانی کمیونسٹ پارٹی کا نیشنل لبریشن فرنٹ (EAM) اور یونانی پیپلز لبریشن آرمی (ELAS) کا کردار نمایاں تھا جنہوں نے یونانی کمیونسٹ پارٹی کی ہدایات پر عمل کرتے ہوئے یہودیوں کا نازیوں کے مظالم سے نجات دلائی اور ان میں سے بہت سے لوگوں کو مسلح جہد آزادی میں بھرتی کیا[37]۔

آج امریکہ، جرمنی، دیگر یورپی ممالک اور اسرائیل میں رجعت پسندیت یا ہو حکومت کی عوام دشمن پالیسیوں کے خلاف مظاہروں میں بہت سے یہودیوں کی شرکت اس غیر تاریخی طرز عمل کا بہترین جواب ہیں۔ کسی بھی معقول شخص کے لیے یہ بات واضح ہے کہ سرمایہ دار ریاستوں اور حکومتوں کے خلاف تنقید کو، مثال کے طور پر امریکہ یا رجعت پسند یوکرینی زیلنسکی حکومت کے خلاف تنقید، کسی بھی طرح سے امریکہ یا یوکرینی عوام کے خلاف قوم پرستانہ نفرت نہیں سمجھا جاتا۔ اس میں واضح فرق ہے، اور یہ بات اسرائیل کی مجرم ریاست اور اس کے جرائم کی مذمت، اور عام طور پر یہودیوں، یا اسرائیل کی یہودی آبادی کے درمیان فرق کے معاملے میں بھی درست ہے۔

"دو محوروں" کا مسخ تصور

یہ دیکھتے ہوئے کہ فلسطین کی جنگ معروضی طور پر خطے اور بین الاقوامی سطح پر سامراجی طاقتوں (ایک طرف امریکہ، نیٹو، یورپی یونین اور دوسری طرف روس، چین، ایران وغیرہ) کے درمیان مسابقت کے ساتھ جڑی ہوئی ہے، دو مختلف لیکن یکساں طور پر غلط تصورات جنم لیتے ہیں:

(الف) ایک تصور وہ ہے جو یہ دعویٰ کرتا ہے کہ ایک "سامراج مخالف محور" (ایران-روس-چین) تشکیل دیا جا رہا ہے۔ امریکی سامراج اور اس کے اتحادیوں کے خلاف اس محور کی حمایت کرنا چاہیے۔

(ب) دوسرا تصور، جو اس وقت کم پھیلا ہوا ہے لیکن انتہائی غلط ہے، وہ یہ کہتا ہے کہ ہم فلسطینی عوام کی آزادی کی جدوجہد کی حمایت نہیں کر سکتے کیونکہ یہ سامراجی تنازعے کا حصہ ہے۔

یہ دونوں تصورات اس درست مشاہدے سے شروع ہوتے ہیں کہ دنیا میں مخالف قوتوں کے محاذ بن رہے ہیں۔ ایک طرف یورو-اٹلانٹک قوتوں کا سامراجی بلاک اور دوسری طرف یوریشین بلاک (روس-چین-ایران وغیرہ) کی تشکیل واضح ہے، جسے پہلا تصور ایک مبینہ "سامراج مخالف محور" کے طور پر مسخ کرتا ہے۔

اس طرح ان تصورات میں طبقاتی روش عملی طور پر ترک کر دی گئی ہے اور سامراج کے تصور کو صرف امریکہ اور اس کے اتحادیوں کی جارحانہ پالیسی تک محدود کر دیا گیا ہے۔ اس بات کو نظر انداز کر دیا گیا ہے کہ چین اور روس میں اجارہ داریاں غالب ہیں اور ان ملکوں کے سرمایہ دار طبقے بھی اپنے منصوبوں کو فروغ دینے کی کوشش کر رہے ہیں۔

روس، چین اور ایران فلسطینی عوام کی حمایت اس لیے نہیں کرتے کہ وہ ان کے منصفانہ مقصد کی حمایت کرتے ہیں، بلکہ اس لیے کہ وہ خطے میں امریکہ کے منصوبوں کی راہ میں رکاوٹیں ڈالنا اور نقصان پہنچانا چاہتے ہیں۔ لہٰذا، ان طاقتوں کے ذریعے کوئی "سامراج مخالف محور" تشکیل نہیں دیا گیا ہے۔ وہ اپنے مفادات اور اجارہ داریوں کے لیے کام کر رہے ہیں اور اسی لیے وہ فلسطینی جدوجہد کی حمایت میں مستقل مزاجی نہیں دکھا سکتے۔ یہ اور بات ہے کہ فلسطینی کسی بھی قومی آزادی یا انقلابی تحریک کی طرح اسرائیلی قبضے کے خلاف اپنی جدوجہد میں ان تضادات سے فائدہ اٹھانے میں حق بجانب ہیں۔

یہ دوسرا تصور (کہ دونوں محاذ سامراجی تنازعے کی عکاسی کرتے ہیں) سامراجی بلاکوں کی طبقاتی نوعیت کو درست طریقے سے دیکھتے ہوئے، بچے کو نہانے کے پانی کے ساتھ باہر پھینکنے کی بڑی غلطی کرتا ہے، کیونکہ یہ سامراجی جنگ کے نام پر فلسطینی عوام کی منصفانہ جدوجہد کو مسترد کرتا ہے۔ تاہم، جیسا کہ تاریخ نے دکھایا ہے، بین الاقوامی سامراجی تصادم، حتیٰ کہ جنگ کے حالات میں، قومی آزادی کی منصفانہ جنگوں کا آغاز خارج از امکان نہیں ہے۔ لینن نے پہلی جنگ عظیم کے حالات میں (روزا) لکسمبرگ کے اسی غلط موقف کے جواب میں ان سوالات سے تفصیل سے بحث کی۔

آج، مشرق وسطیٰ میں تنازعات عام ہو جانے کا حقیقی امکان موجود ہے، حتیٰ کہ یوکرائن کی جنگ سے اس کے انضمام یا نئے محاذ کھل جانے کا۔ لیکن تنازعے کی سامراجی نوعیت یا اپنی جغرافیائی سیاسی خواہشات کے لیے مقابلہ کرنے والی طاقتوں کی وجہ سے فلسطینی عوام کی حمایت سے دستبردار نہیں ہونا چاہیے۔ اس کے برعکس، فلسطینیوں کی منصفانہ جدوجہد کی مزید حمایت جاری رکھنا لازم ہے۔

یونانی کمیونسٹ پارٹی یوکرین کے تنازعے اور فلسطین کے معاملے دونوں میں تاریخ کی درست سمت ہے، کیونکہ یہ عوام کے ساتھ کھڑی ہے اور سامراجیوں، اجارہ داریوں اور سرمایہ داری کے خلاف جدوجہد کرتی ہے، جو عوام کا خون بہا رہے ہیں۔

تنازعہ عام ہو جانے کے خطرات اور یوکرین میں محاذ جنگ کے ساتھ اس کا سنگم

اس مضمون کے مختلف مقامات پر ہم پہلے ہی یوکرین اور فلسطین میں ہونے والی دو جنگوں کے درمیان تعلق اور تعامل کا ذکر کر چکے ہیں۔ اس تعامل کا تعلق تجارت اور توانائی کے نئے راستوں کے کھلنے یا دوسروں کے بند ہونے اور سرمایہ دار ریاستوں کے درمیان اقتصادی، سیاسی اور فوجی تعلقات کے مضبوط ہونے یا ٹوٹنے سے ہے۔ سوال یہ ہے کہ کیا ان دونوں جنگوں کو ایک ایسی عام جنگ میں ضم کیا جا سکتا ہے جس سے بڑی آگ بھڑک اٹھے۔

ہم نقشے پر نظر ڈالیں تو تین ایسے علاقے ہیں جہاں اس وقت مقامی، چھوٹے پیمانے پر یا ناپختہ سمجھے جانے والے تنازعات کی آگ جنگ کے دو گڑھوں کی جغرافیائی ہم آہنگی کا باعث بن سکتی ہے۔

1)بلقان: بلقان کے علاقے میں ہونی والی پیشر فتیں ایجیئن (Aegean) سمندر میں ترک سرمایہ دار طبقے کے ناقابل قبول دعووں کے گرد گھومتی ہیں۔ ان سے خود مختاری کے حقوق کے بارے میں مسائل جنم لیتے ہیں۔ ان سے کوسووو کے محافظ علاقے (پروٹیکٹوریٹ) میں ممکنہ طور پر نیا تنازع بھڑک سکتا ہے (جسے بنیادی طور پر "عظیم تر البانیہ" کے بیانیے کی بنیاد پر اکسایا گیا ہے)۔ بوسنیا کے پروٹیکٹوریٹ کو فوری جھٹکا لگ سکتا ہے (جو اس کے اچانک خاتمے کا باعث ہو سکتا ہے)۔ مالدووا کی غیر مستحکم سیاسی صورتحال (جس میں رومانیہ اور روس فعال طور پر ملوث ہیں) اور ٹرانسنسٹریا کا الگ ہونے والا خطہ، شمالی مقدونیہ میں رجوعیت (Irredentism) کا دوبارہ سر اٹھانا، جسے پریسپا معاہدے کے ذریعے دبا دیا گیا تھا تاکہ نیٹو کے ساتھ ملک کے الحاق کا معاملہ آگے بڑھایا جا سکے، وغیرہ، وغیرہ۔ اس مخصوص خطے میں، اس "عظیم نظریے" کا ایک قوی اُبھار ہو سکتا ہے جو پچھلی صدی میں جنگوں، رجوعیت اور سرحدی تبدیلیوں کا باعث بنا۔ اس میں مضبوط ترین سرمایہ دار ممالک شامل ہو سکتے ہیں۔

2)قفقاز (کاکیشیا): قفقاز میں یوکرین کی جنگ میں ہونے والی پیش رفت پہلے ہی اپنے نشان چھوڑ چکی ہے۔ روس کے راستے ایشیا سے یورپ تک ریل کے سفر میں کمی آذربائیجان-ترکی ریل لنک کے کے مسئلے کو حل کرنے کی جانب واپسی کا باعث بنی ہے، جسے "وسطی راہداری-Middle Corridor) بھی کہا جاتا ہے۔ زنگیزور کراسنگ پر آرمینیا کی فوجی موجودگی نے راستہ بند کر دیا تھا، مگر یہ صورتحال آذربائیجان کی فتح کے ساتھ بدل گئی تھی، جس میں ترکی اور اسرائیل نے نگورنو کاراباخ کے معاملے پر آذربائیجان کے خلاف مسلح تصادم میں آرمینیا کی مدد کی تھی۔ یہ پیشرفت ،جو ایران کے مفادات کو متاثر کرتی ہے، اور اس کے ساتھ ساتھ نگورنو کاراباخ سے دسیوں ہزار آرمینیائی باشندوں کا انخلاء، صورتحال کو مزید غیر مستحکم کرنے والے عناصر ہیں۔ ان کے علاوہ، جیسے کہ جارجیا میں ہونے والی پیش رفت، جس میں ابغازیہ اور جنوبی اوسیشیا نے اپنی "آزادی" کا اعلان کیا اور روس کے ساتھ تعلقات قائم کیے اور اس کے نتیجے میں جارجیا نے اپنا 20 فیصد علاقہ کھو دیا۔ جارجیا کے سرمایہ دار طبقے میں بین الاقوامی سرمایہ دارانہ اتحادوں کے معاملے پر اندرونی جدوجہد زور پکڑ رہی ہے۔

3)وسطی ایشیا: یہاں اگرچہ خطے کے ممالک علاقائی اتحادوں کا حصہ ہیں جس کی محرک قوت روس ہے، لیکن اس کے ساتھ ساتھ، خطے کے سرمایہ دار طبقوں کے درمیان بنیادی تنازعات بھی موجود ہیں۔ سب سے نمایاں تنازعات پانی کے معاملے پر تاجکستان اور کرغیزستان کے درمیان اور قازقستان اور ازبکستان کے درمیان ہیں، جہاں دونوں فریق نسلی اور لسانی مسائل اور علاقے کی آبادیوں کی خصوصیات کو اپنے تنازعوں کے لیے استعمال کر رہے ہیں، جبکہ اس کے پیچھے خام مال کے لیے اور اجناس کی نقل و حمل کے راستوں کے لیے ان کا مقابلہ ہے۔ ان تنازعوں میں طاقتور سامراجی قوتیں بھی ملوث ہیں۔

نتائج

مندرجہ بالا صورتحال سے یہ واضح ہے کہ مشرق وسطی کی جنگ، جس پر فلسطین کے لوگوں کے خلاف قابض اسرائیلی ریاست کی بربریت کی چھاپ ہے، خونریزی کو عام کرنے اور پھیلانے کے لیے ایک زرخیز زمین فراہم کرتی ہے۔

آج اسرائیل، امریکہ اور یورپی یونین کے سرمایہ دار طبقوں کے پروپیگنڈے کے خلاف دنیا کے کئی ممالک میں عوام اور نوجوانوں کی متاثر کن جدوجہد کا سب سے زیادہ اثر ان ملکوں کے اندر ہے۔ وہ سرمایہ دار حکومتوں پر دباؤ ڈالتے ہیں، جس کی وجہ سے کچھ ملکوں نے فلسطین کو تسلیم کرنے کے فیصلے کا اظہار کیا ہے یا حماس کے ساتھ تعلقات قائم کرنے کی دعوت دی ہے، یا اقوام متحدہ کے فلاحی ادارے (UNRWA) کی جانب سے فلسطینیوں کی امداد کو حماس کی مدد سے جوڑنے کے منصوبوں کی یا امریکہ کے منافقانہ ہتھکنڈوں کی مزاحمت کی ہے۔ یہ اور دیگر مثالیں محنت کشوں کی عوامی تحریک، نوجوانوں اور طلباء کی قومی اور بین الاقوامی ترقی پر اثر انداز ہونے کی طاقت کو ظاہر کرتی ہیں۔

ہمیں فلسطینی عوام کی ان کے منصفانہ مقصد کے لیے جدوجہد کے ساتھ یکجہتی کے پختہ اظہار کے ساتھ ساتھ، اپنے ملک کو سامراجی منصوبوں میں ملوث کرنے کے خلاف جدوجہد کو مزید مضبوط کرنے کی ضرورت ہے۔ ہمیں ضرورت ہے تمام یونانی مسلح افواج کی بیرون ملک سامراجی مشنوں سے واپسی کی، امریکی نیٹو اڈوں کی بندش کی، جو جنگوں کے لیے ایک بہار ہیں اور ہمارے لوگوں کو نشانہ بناتے ہیں۔ ہمیں ضرورت ہے سامراجی اتحادوں سے اپنے ملک کو الگ کرنے کی، سرمایہ دار طبقے اور جغرافیائی-تذویراتی ترقی کی اس کی خواہشات کے خلاف عوام کو ان کی زمین کا مالک بنانے کی، نئی ڈیموکریسی حکومت، سائیریزا، پاسول اور نام نہاد "یونانی حل" جیسی اور دیگر سرمایہ دار پارٹیوں کے خلاف جدوجہد کرنے کی، جو سب یورو-اٹلانٹک حکمت عملی اور سامراجی منصوبہ بندی کی حمایت اور اس کا نفاذ کرنے پر متفق ہیں۔

یہ مضمون جولائی 2024ء میں یونانی کمیونسٹ پارٹی (KKE) کی مرکزی کمیٹی کے نظریاتی اور سیاسی جریدے "کمیونسٹ ریویو (KOMEP)" کے شمارہ 3 میں شائع ہوا تھا۔

حواشی

[1] Newspaper EFSYN, 5 and 6 June 2024

[2] According to a report published on the Arabic site https://attaqa.net/ in late 2023, sourced from data published in "Global oil and natural gas reserves both increase", https://www.ogj.com/general-interest/economics-markets/article/14302481/global-oil-and-natural-gas-reserves-both-increase

[3] Association for International & European Affairs, "Red Sea: the 'Great Game' and the European Aspides Operation", https://odeth.eu/%CE%B5%CF%81%CF%85%CE%B8%CF%81%CE%AC-%CE%B8%CE%AC%CE%BB%CE%B1%CF%83%CF%83%CE%B1-%CF%84%CE%BF-%CE%BC%CE%B5%CE%B3%CE%AC%CE%BB%CE%BF-%CF%80%CE%B1%CE%B9%CF%87%CE%BD%CE%AF%CE%B4%CE%B9-%CE%BA/

[4] "Red Sea: the global trade chain is creaking", https://www.newsit.gr/oikonomia/erythra-thalassa-trizei-i-alysida-tou-pagkosmiou-emporiou/3964847/

[5] Mahmoud Abbas, "The issue at stake for Palestine in the East Med Gas Forum is the EEZ and the regional market", https://energypress.gr/index.php/news/ampas-aoz-kai-perifereiaki-agora-ta-zitoymena-gia-tin-palaistini-apo-east-med-gas-forum

[6] Based in Athens

[7] Walid Khadduri, "Gaza Marine: What Fate After the War?", https://www.palestine studies.org/en/node/1654991

[8] Ahmad Ismail, "Earlier than planned. Development of the Palestinian 'Gaza Marine' field to begin next October", September 2023, https://cnnbusinessarabic.com/

[9] Prime Minister's Office Directs that the Development Project for the Gas Field off the Coast of Gaza be Implemented, https://www.gov.il/en/pages/spoke-gas180623

[10] *Mohammad Shtayyeh, "The development of the 'Gaza Marine' field has become feasible", 19.6.23, https://www.aa.com.tr/ar/*

[11] *Nur Abwaisa & Iyad Nabulsi, "How will Hamas deal with development of the Gaza Marine gas field?", https://www.aa.com.tr/ar/*

[12] Ibid

[13] "IMEC: What is included in the plans of the India-Europe trade corridor?", https://www.powergame.gr/diethni/510998/imec-ti-provlepei-o-eborikos-diadromos-indias-evropis/

[14] Gennady Smakov, "The Ben-Gurion Canal as a Factor in Military Action in the Middle East" ,https://fondsk.ru/news/2023/11/10/kanal-ben-gurion-kak-faktor-voennykh-deystviy-na-blizhnem-vostoke.html

[15] https://hellasjournal.com, 20.9.23.

[16] Makis Papadopoulos, "*Green supporters of war and energy poverty"*, Communist Review, Issue 3/2022

[17] Grigoris Lionis, "*Developments in the war industry and the positions of the KKE",* Communist Review, Issue 3/2023

[18] "Global military spending skyrockets. Over $2.4 trillion in 2023", https://www.902.gr/eidisi/kosmos/362376/ektoxeytikan-oi-stratiotikes-dapanes-pagkosmios-pano-apo-24-tris-dolaria-2023, 22.4.24

[19] Grigoris Lionis, "Developments in the war industry and the positions of the KKE", Communist Review, Issue 3/2023

[20] https://www.aljazeera.net.

[21] https://www.middleeastmonitor.com.

[22] https://www.moneyreview.gr/.

[23] "Israel Aerospace Industries sees 49% increase in net income in 2023", https://www.jpost.com/israel-news/article-791966

[24] NYT, "More buildings have been destroyed in Ukraine than if every building in Manhattan were to be leveled four times over", https://www.liberal.gr/diethni-themata/nyt-i-rosia-katestrepse-210000-spitia-stin-oykrania-tesseris-fores-tin-ektasi-toy

[25] UNOSAT, "Gaza Strip 7th Comprehensive Damage Assessment - May 2024", https://unosat.org/products/3861

[26] Statistics of the attack on the Gaza Strip, https://m.sa24.co/

[27] Israel's outgoing ambassador to Greece speaks to Kathimerini, https://www.ekathimerini.com/opinion/interviews/1186559/no-country-should-outsource-its-security-to-others/

[28] Giorgos Marinos, "We strengthen our solidarity with the Palestinian people, we increase our vigilance in the face of developments", Communist Review, issue 5/2023

[29] "Developments with the Greek Patriot in Saudi Arabia - New military cooperation programme",https://www.kathimerini.gr/politics/563022976/exelixeis-me-toys-ellinikoys-patriot-sti-saoydiki-aravia-neo-programma-stratiotikis-synergasias/, 13.5.24

[30] Pandelis Kapsis, "A clash of civilizations?", https://www.athensvoice.gr/epikairotita/diethni/820544/israil-palaistini/ , Konstantinos Ginis, "The Hamas terrorist attack and the clash of civilisations", https://www.liberal.gr/diethni-themata/i-tromokratiki-epithesi-tis-hamas-kai-i-sygkroysi-politismon

[31] United Nations, The Origins and Evolution of the Palestine Problem: Part II (1947-1977), https://www.un.org/unispal/history2/origins-and-evolution-of-the-palestine-problem/part-ii-1947-1977/

[32] Pravda, 29.5.1948. Pravda was the organ of the Central Committee of the All-Union Communist Party - Bolsheviks (as the CPSU was called before 1952)

[33] For more, see Anastasis Gikas' feature article, "Historical review on the roots and evolution of the Palestinian issue", published in Rizospastis in 6 installments (from 4.11.23 to 2.3.24)

[34] Jorge Martín, “The Communist Party of Greece and the struggle for the liberation of Palestine: a necessary debate”, https://www.marxist.com/the-communist-party-of-greece-and-the-struggle-for-the-liberation-of-palestine-a-necessary-debate.htm

[35] Digital Jewish Encyclopedia, “The USSR’s relations with Israel”, https://eleven.co.il/

[36] G.V. Sharapov, “World Federation of Trade Unions”, https://www.booksite.ru/fulltext/1/001/008/007/057.htm

[37] Ioanna Kotsiavra, “On the participation of the Jewish population in the Resistance, the anti-fascist struggle and the armed liberation struggle in the ranks of EAM-ELAS”, https://www.katiousa.gr/istoria/gia-ti-symmetochi-tou-evraikou-plithysmou-stin-antistasi-stin-antifasistiki-pali-kai-ton-apeleftherotiko-enoplo-agona-me-to-eam-elas/